# تذکرہ

# قلندر بابا اولیاءؒ

خواجہ شمس الدین عظیمی

مکتبہ تاج الدین بابا اولیاءؒ

۱-ڈی ۱/۲ ناظم آباد۔ کراچی ۱۸

## انتساب

اُس نوجوان نسل کے نام

جو

ابدالِ حق، قلندر بابا اولیاءؒ کی

"نسبتِ فیضان"

سے نوعِ انسانی کو سکون و راحت سے آشنا کرکے

اس کے اوپر سے خوف اور غم کے دبیز سائے

ختم کردے گی ـــــ اور پھر

انسان اپنا ازلی شرف حاصل کرکے جنت میں

داخل ہوجائے گا۔

دنیائے ظلمات ہے ساری دنیا
کیا ہے کہتے کہ ہے کیا یہ ساری دنیا
مٹی کا کھلونا ہے ہماری تخلیق
مٹی کا کھلونا ہے یہ ساری دنیا

اک نقطہ تھا اک نقطے سے افسانہ ہوا
اک شہر تھا اک شہر سے ویرانہ ہوا
گردوں نے ہزار عکس ڈالے ہیں عظیم
میں خاک ہوا خاک سے پیمانہ ہوا

# فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ ؕ
اَمَّا بَعۡدُ
اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ؕ

باری تعالٰی نے آدم و حوّا کو پیدا کیا۔ پھر نسلِ آدم پھیلانے کے لئے زمین پر بھیج دیا۔ اس ربِ ذوالجلال کی مرضی اور منشاء کے مطابق آدمی کی تخلیق کا سلسلہ برابر جاری ہے۔

جیسے جیسے آبادیاں اور گروہ بڑھتے گئے، آدمی کی ضرورتوں میں اضافہ ہوتا رہا۔ دن، مہینے اور سال گزرتے گزرتے صدیاں اور قرن بننے لگے۔ لوگوں کی ہدایت کے لئے نبیوں پر صحیفے آنے لگے۔ جب یہ قبیلے اور قافلے زیادہ پھیل گئے تو توریت، زبور، انجیل اور سب سے آخر میں قرآنِ مجید

قرآنِ حمید کا نزول ہوا اور خداوندی ہدایت کا سلسلہ مکمّل ہو گیا۔

دُنیا میں اب تک ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آ چکے ہیں جن میں سے پچیس تیس کی آمد اور خدمات کی تائید اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام کے ذریعے کی ہے اور ان کی مثالیں دی ہیں۔

سب سے آخری نبیؐ ، دونوں جہان کے سردار، ہادیِ دینِ مبین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد، بعثت ، خدمت ، رہبری اور تکمیلِ انسانیت کے عمل پر دفتر کے دفتر لکھے جا چکے ہیں۔ لیکن وجد اور کیفیت اور معرفت اور روحانیت کی گلیوں کے باسی اپنی زبان سے یہی کہہ رہے ہیں ؏

ہنوز نامِ تو گفتن کمالِ بے ادبی ست

یہ کیا ہے ؟

مقامِ ادب ہے۔ مقامِ عجز ہے۔ انکساری کا اظہار ہے۔ اپنی بندگی اور بندگی کی بے بسی کا اقرار ہے۔ ان لوگوں کے دلوں پر انتہائے محبت کا جذبہ سوار ہے۔ اس راہ میں گزرنا ہر کس و ناکس کے لئے ایک جُرعۂ مئے نابِ یقین و ایمان کے لئے مجسّم تحمّل و گلزار ہے۔ عشق کی ان پیچیدہ گھاٹیوں میں جو بھی جس کو گھما دے، پھرا دے، درِ حبیبؐ کا جلوہ دکھا دے مرشدِ بزرگ آثار ہے اور جو عقیدت مند اپنی ارادت کا کشکول ان کے آگے رکھ کر پھر نہ ہلے، نہ ٹلے، لئے بغیر نہ رہے، چھینے بغیر سانس نہ لے، اپنی ہر آس کو اپنے مرشد کی ہر سانس پر تج نہ دے، اس کی ہر ادا اور صدا کو اپنے دل کی قبا میں ٹانک نہ لے اور یقین کی عبا میں ڈھانک نہ لے وہ کیسے باز رہ سکتا ہے۔



خدا کی وحدت کو جان لینا، پہچان لینا، دیکھ لینا، سمجھ لینا دیکھنے میں تو بہت آسان لگتا ہے لیکن سمجھنے اور حاصل کرنے کی دنیا میں سُوئی کے ناکے میں سے اونٹ کو گزار لینا آسان ہے مگر اُلوہیت اور للٰہیت کی اوگھٹ گھاٹیوں میں سے گزرنا ، اور نہ صرف گزرنا بلکہ اپنے ذہن اور ایمان کو بھی سالم رکھنا، اقرار کو بھی بے قرار نہ ہونے دینا ، ابلیسیت سے انکار کو کہیں قرار نہ لینے دینا ایک کٹھن منزل ہے۔ ایک مسافر جب سُنسان ، ویران جنگل سے گزرتا ہے تو اس پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔ لیکن جب وہ گھنے بن میں سے رات کی بھیانک تاریکی میں سفر کرتا ہے تو اس پر دہشت طاری ہو جاتی ہے۔ لیکن عقیدت اور ارادت کے بحرِ ظلمات میں جب قدم رکھتا ہے تو خوف ، دہشت، حُزن، یاس، درماندگی ، اجنبیت اور قسم قسم کی حواس باختگیاں عجیب عجیب ڈراؤنی شکلوں میں آنے لگتی ہیں۔ اس عالمِ تیرہ و تار میں ایک مرشد عظیم ترین محسن بن کر بچہ کی طرح انگلی پکڑ کر ایسے خراماں خراماں لے جاتا ہے جیسے طفلِ گریختہ پا اپنی ماں کا دودھ پینے میں مگن ہے اور چوسنے کے ہر سانس کے ساتھ اس کو رُوحانی دسترخوان سے الوانِ نعمت ملتے چلے جا رہے ہیں جن کی گنتی کرنے سے وہ بے نیاز ہو چکا ہے۔ بس قدرت کی رحمت سے معانقہ کرنے میں مگن ہے۔

اللہ تعالےٰ واحد ہے، اَحَدٌ ہے، صَمَدٌ ہے، لَمْ یَلِدْ ہے، وَلَمْ یُوْلَدْ ہے۔ اس کی اسی وحدت اور وحدانیت کا ہر مذہب نے راگ الاپا ہے۔ زمین پر کسی ایسے مذہب کا وجود نہیں ہے جس نے حق تعالےٰ کی وحدانیت سے منہ موڑا ہو یا اس کے وجود سے انکار کیا ہو۔ صوفیائے کرام اور

اولیائے عظام نے اس احدیت، صمدیت، حقانیت اور وحدانیت کو سمجھانے اور سمجھنے کے لئے مختلف راستے اور طریقے اختیار کئے ہیں۔ عام فہم انداز میں توحید اور مسئلۂ توحید، شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت پر مشتمل ہے۔ رہبر جن و انسان، ہادیِ کون و مکان، ماحیِ ظلم و بطلان، سرکارِ دو جہان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔

اس عرفانِ نفس میں خواہشات اور شہوت کی معرفت نہیں ہے، بدن کی معرفت نہیں ہے، اپنے عزیز و اقارب کی پہچان نہیں ہے، اپنے ماں باپ کی پہچان نہیں ہے، اپنے شہر، گھر اور وطن کی پہچان نہیں ہے، ساری دنیا کے علم کی پہچان نہیں ہے بلکہ یہ پہچان کرنی اور سمجھنی ہے کہ قدرت نے تجھے کیوں پیدا کیا ہے؟ تیرے اندر اس نے کون سا جوہر واحد چھپا کر تجھے عدم سے وجود میں بھیجا ہے۔ مشیت نے اپنے ارادوں میں تیرے اندر کون کون سی ہوشمندیاں دانائیاں اور پیشوائیاں سجا بنا کر رکھی ہیں۔ کیا تجھے محض تیری اپنی ہی اکلوتی ذات کے لئے پیدا کیا ہے؟ اگر ایک بندہ اپنی اس کُنہ، اس لِم، اس غرض اور پیدائش کی اس غایت تک پہنچ جائے کہ وہ خود اپنی ذات میں کیا کچھ ہے تو یہ سمجھ لو کہ اس بندہ نے خود کو پالیا، سمجھ لیا، مان لیا، پہچان لیا۔ اس وجدان کے میسّر آتے ہی شانِ ربّ ذوالجلال پورے جاہ و جلال کے ساتھ کارفرما نظر آنے لگی۔ جب یقین عین الیقین اور حق الیقین تک آ پہنچا تو تمام سفر مقصد مکمل



ہوکر فہو المراد بن گیا۔ جب جزو نے کل کا مقصدِ حکم پالیا تو وہ جزو کہاں رہا۔ اس مقام پر جا پہنچا جس کا اخفا میں رکھنا بیان کر دینے سے زیادہ ارفع ہے۔

وحدتِ ربّانی اور وحدانیتِ یزدانی کے بارے میں ارشادِ باری ہے:

ترجمہ - اور تمہارا رب اکیلا رب ہے، کسی کی عبادت نہیں کرنا، سوائے اس کے وہ بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے اور بندگی کسی کو نہیں مگر ایک معبود کو۔

اس کے سوا کسی کو بندگی نہیں، وہ زندہ ہے اور قائم رہنے والا ہے۔

حضرت جُنید بغدادیؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علمِ توحید اُس کے وجود سے جُدا ہے اور اس کا وجود علم سے الگ۔ یعنی ربّ ذوالجلال علم کی حد سے باہر ہے یعنی اتنا وسیع ہے کہ کوئی علم اس کا احاطہ یا اندازہ نہیں کر سکتا۔

حضرت ابوبکر واسطیؒ کا قول ہے کہ راہِ حق میں خلق نہیں اور راہِ خلق میں حق نہیں یعنی یہ بندے جو اس کے ادراک کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں، اس کی ذات بشریت کے ادراک سے زیادہ ارفع و اعلیٰ ہے جس تک پہنچنا ناممکن ہے۔

ان آیاتِ مبارکہ اور بزرگانِ کرامؒ کے اقوال سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ توحید کا مسئلہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا لوگ اسے سہل سمجھتے ہیں۔ جس طرح ایک پیالی میں گلاس نہیں سما سکتا، ایک گلاس میں مٹکا نہیں سما سکتا، ایک مٹکے میں ایک تالاب نہیں سما سکتا، ایک تالاب میں ایک سمندر نہیں سما سکتا، ایک سمندر میں سارے سمندر نہیں سما سکتے اسی طرح ایک بندہ کی ننھی سی عقل، سمجھ، سوچ، فکر، فہم، ادراک، احساس، ایقان اور وجدان میں

وہ ذاتِ واحد کیسے سما سکتی ہے جس کو ہم اللہ کے نام سے یاد کرتے ہیں جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔

ایک مومن بننے کے لئے ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین اور پھر اولیائے کرام ہدایت اور رہبری کا ذریعہ رہے ہیں۔ حضرت اویس قرنیؓ کے بعد سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ، حضرت بابا فرید گنج شکرؒ، حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت علاء الدین صابر کلیریؒ، حضرت بو علی شاہ قلندرؒ، حضرت صاحبزادہ شیخ احمد سرہندی فاروقی مجدد الف ثانیؒ، حضرت حافظ عبدالرحمٰن جامی ملنگ باباؒ، حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ، حضرت سچل سرمستؒ، حضرت لعل شہباز قلندرؒ اور دوسرے ایسے تمام بزرگانِ کرام جو عوام کے لئے فیضِ عام اور مرجعِ انام رہے ہیں۔ جنوبی ایشیا میں ان اولیائے کرام کی جسمانی، دینی، ملکی، ملّی اور روحانی خدمات وقت کے ساتھ ساتھ اور زیادہ روشن تر ہوتی چلی جارہی ہیں۔ ان بزرگوں کا روحانی مشن مذہب اور ملّت اور عقیدہ کی حد بندیوں سے بلند ہے۔ ہر مذہب اور ملّت کے لوگ اپنی اپنی ضرورتیں لے کر حاضری دیتے ہیں اور جب تک انہیں کامیابی کا اشارہ نہ مل جائے وہ جانے کا نام نہیں لیتے۔ ان بزرگوں کو اس دنیا سے جدا ہوئے اگرچہ کئی صدیاں گزر گئی ہیں لیکن ان کے مزارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی دفن بھی نہیں ہوئے ہیں۔

قدرت اپنے پیغام کو پہنچانے کے لئے دیئے سے دیا جلاتی رہتی ہے۔



معرفت کی مشعل ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ آخر یہ قطب، غوث، ولی، ابدال، صوفی، مجذوب اور قلندر سب کیا ہیں۔ یہ قدرت کے وہ ہاتھ ہیں جو روحانی روشنی کی مشعل کو لے کر چلتے رہتے ہیں۔ اس روشنی سے اپنی ذات کو بھی روشن رکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی روشنی کا انعکاس دیتے ہیں اور جس کو اپنے اس فیض سے مالا مال کرتے ہیں اس کا دستِ حق پرست معرفت اور بابِ معرفت کے مرکز اور شہر حضرت مولا علی مشکل کشاؓ سے ملا دیتے ہیں جو دربارِ رسالتؐ میں اس عقیدت کو پیش کرنے اور نذر گزارنے میں ہمہ وقت معروفِ نیاز ہیں۔

صرف تاریخ کے اوراق نہیں بلکہ لوگوں کے دلوں پر ان بزرگوں کی ایسی ایسی داستانیں اور چشم دید باتیں اب تک زندہ اور محفوظ ہیں جن کی دعاؤں سے مُردوں کو زندگی، بیماروں کو شفا، بھوکوں کو غذا، دکھیوں کو عطا، غریبوں کو زر، بے حال لوگوں کو بال و پر، بے سہارا اور بے کس لوگوں کو اولاد اور مال و متاع کے انعامات ملتے رہتے ہیں۔

قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی سنّت میں نہ تبدیلی ہوتی ہے اور نہ تعطل واقع ہوتا ہے۔ اس قانون کے تحت ازل سے ابد تک اللہ کی سنّت کا جاری رہنا ضروری ہے۔ چوں کہ حضور خاتم النبیینؐ پر پیغمبری ختم ہو چکی ہے، اس لئے فیضانِ نبوت کو جاری و ساری رکھنے کیلئے سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے وارث اولیاء اللہ کا ایک سلسلہ قائم ہوا جن کے بارے میں قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد ہے:

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ؕ

اللہ کے دوستوں کو خوف ہوتا ہے اور نہ وہ غم آشنا زندگی سے مانوس ہوتے ہیں۔

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آسمانِ علم و آگاہی میں ایک ایسا درخشندہ ستارہ ہیں جن کے بارے میں حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"میں اپنے بعد اللہ کی کتاب اور اپنی اولاد چھوڑ کر جا رہا ہوں۔"

عالمِ روحانیت کے اسرار و رموز سے منور "لوح و قلم" اور جامِ معرفت سے لبریز "رباعیات قلندر بابا اولیاءؒ" میں سے چند اقتباسات کے ساتھ ساتھ بابا صاحبؒ کی تعلیمات، ارشادات و ملفوظات اور کشف و کرامات کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ تاکہ ہر طبقے اور ہر خیال کے ارباب علم و ادب اور اہلِ نظر حضرت بابا صاحبؒ کی تعلیمات سے فیض یاب ہو سکیں۔

نورانی لوگوں کی باتیں بھی روشن اور منور ہوتی ہیں۔ زندگی میں ان کے ساتھ ایک لمحے کا تقرب سو سالہ طاعت بے ریا سے افضل ہے اور عالمِ قدس میں چلے جانے کے بعد ان کی یاد ہزار سالہ طاعتِ بے ریا سے اعلیٰ اور افضل ہے کہ ایسے مقربِ بارگاہ بندوں کے تذکرے سے آدمی کا انگ انگ [illegible] کی قربت کے تصور سے رنگین ہو جاتا ہے۔

ارشاد ہے ——

ہم نبی ﷺ کو گزشتہ [illegible] کے واقعات اس لئے آپ ﷺ کے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ آپ ﷺ کے قلب کو سکون حاصل ہو اور آپ ﷺ کا قلب قوی ہو جائے۔



لازوال ہستی اپنی قدرت کا فیضان جاری و ساری رکھنے کے لئے ایسے بندے تخلیق کرتی رہتی ہے جو دنیا کی بے ثباتی کا درس دیتے ہیں۔ خالقِ حقیقی سے تعلق قائم کرنا اور آدم زاد کو اُس سے متعارف کرانا ان کا مشن ہوتا ہے۔

آیئے! ہم دل دارِ دل نواز کی باتیں کریں ——

اس لئے کہ انسان دوستی کا تقاضہ ہے کہ انسانیت نواز، پاکیزہ کردار، عارفِ حق حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی آواز کی لہریں زیرِ نظر کتاب "تذکرہ قلندر بابا اولیاءؒ" کے صفحات پر بکھیر دی جائیں، اس طرح کہ ایک مرقع تصویر سامنے آ جائے۔

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاءؒ کی زندگی کے حالات، کشف و کرامات، اسرار و رموز کی خوشبو سے معطر ملفوظات و ارشادات عالیہ پر اب تک جو کچھ روحانی ڈائجسٹ میں لکھا جا چکا ہے، کتابی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

قلندر بابا اولیاءؒ کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ بحرِ معرفت کا دُرِ نایاب اور شمعِ ہدایت ہے۔

کتاب "تذکرہ قلندر بابا اولیاءؒ" کی ترتیب و تدوین کے لئے ادارہ روحانی ڈائجسٹ نے فرزندِ روحانی جناب محمد یونس عظیمی کی سربراہی میں ایک پینل (PANEL) قائم کیا تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ عزیز گرامی قدر محمد یونس عظیمی سلمہٗ نے اس کام کو نہایت سلیقہ کے ساتھ پورا کیا اور الحمدللہ مرشدِ کریم، ابدالِ حق، قلندر بابا اولیاءؒ کے حالاتِ زندگی

پریہ پہلی کتاب طباعت سے آراستہ ہوئی۔

اللہ تعالےٰ ہم سب کو توفیق دیں کہ ہم باباصاحبؒ کے مشن کو ساری دنیا میں جاری وساری کردیں تاکہ انسان اپنا ازلی شرف دوبارہ حاصل کرکے رحمت وعافیت اور سکون وراحت کی زندگی میں قدم رکھ سکے۔

دُعاگو

خواجہ شمسُ الدّین عظیمی

۲۷۔ اکتوبر ۱۹۸۲ عیسوی

# حالاتِ زندگی

# قلندر

قبل اس کے ہم حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے حالات اور کشف و کرامات پیش کریں مناسب ہے کہ لفظ "قلندر" کی وضاحت کردی جائے تاکہ اُنکے مقام کا اندازہ ہوجائےگا اور ان سے وقوع میں آنے والے واقعات سمجھ لینے اور ان پر یقین کر لینے میں ذہن و خیال، ارادے اور نیت کو یکسوئی حاصل ہوجائے۔

ایسا انسان جس کے دیدۂ اعتبار اور چشمِ حقیقت کے سامنے ہر شئے کی شیئیت اٹھ گئی ہو اور وہ مراتبِ وجود کو سمجھ کر ان میں عروج کرتا رہے، یہاں تک کہ عالمِ تکوین سے بالا قدم رکھے اور مقامِ وحدانیت کے مشاہدے میں غرق رہ کر احدیت کی تفصیل میں عین وحدت کا جمال مشاہدہ کرکے مقامِ وحدت کی مستی اور بےکیفی میں گم رہتے ہوئے مرتبۂ احدیت پر واپس آئے۔ اس کے بعد اپنے مراتب سے جدا ہوئے بغیر احدیت کے مشاہدے میں محو رہے۔ پھر انسانی مرتبے پر پہنچ کر عبودیت کا مقام حاصل کرے، یہاں تک کہ اس کا عروج و نزول ایک ہوجائے۔ جزو میں کُل اور کُل میں جزو کو دیکھے، پھر ان تمام سے مستغنی ہوکر حیرتِ محمودہ یعنی سُرور میں رہے تو اس کو "قلندر" کہتے ہیں۔

۱

یہ قلندر کا مقام محبوبیت کے مقام سے بھی اعلیٰ ہے کیونکہ محبوبیت کے مقام میں پھر بھی دوئی باقی رہتی ہے کہ ایک عاشق، دوسرا معشوق ہوتا ہے۔ لیکن قلندری کا مقام یہ ہے کہ یہاں دوئی بالکل نہیں رہتی۔ ع

من تو شدم تو من شدی

کا معاملہ بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلامِ مجید فرقانِ حمید میں ہادیٔ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس مقام کی خبر دی ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر ارشاد فرمایا ہے:

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ

ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

حالاں کہ بیعت کے وقت صحابہ کرامؓ کے ہاتھ پر نبیؐ کا ہاتھ تھا۔ وحدت کے لحاظ سے یعنی دوئی باقی نہ رہنے کے اعتبار سے نبیؐ کے ہاتھ کو ربِ ذوالجلال نے اپنا ہاتھ قرار دیا ہے۔ ایک اور جگہ حضرت حق جلّ جلالہٗ فرماتے ہیں:

ترجمہ۔ "اے نبیؐ! آپ نے جب خاک اٹھا کر پھینکی تو وہ آپ نے خاک اٹھا کر نہیں پھینکی بلکہ وہ اللہ نے خاک اٹھا کر پھینکی تھی"۔

یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ نے نبیؐ کے فعل کو اپنا فعل قرار دیا ہے۔

# قلندری سلسلہ

حضرت عبدالعزیز مکی قلندرؒ سے قلندری سلسلہ[1] جاری ہوا ہے۔ یہ بزرگ

[1] بعض صوفیائے کرام کا خیال ہے کہ حضرت ذوالنون مصریؒ سے قلندری سلسلہ جاری ہوا ہے۔



حضرت صالح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کی خوشخبری ملی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ مجھے اتنی بڑی عمر عطا فرما کہ میں حضرت خاتم النبیینؐ کا زمانہ پا سکوں۔ اللہ نے ان کی یہ دُعا قبول فرمائی۔

آپؒ نے آقائے نامدار، سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پایا اور حضورؐ ہی کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ نبی پاکؐ نے آپ کو قلندر کے نام سے مشرف فرمایا۔ مناقبِ قلندریہ میں لکھا ہے کہ مسجدِ نبوی کے قریب صُفّہ ایک چبوترہ تھا۔ وہاں پر فقراء و مساکین صحابۂ کرام رہتے تھے جو اصحابِ صُفّہ کہلاتے تھے۔ حضرت عبدالعزیز مکی قلندر بھی ان میں سے ایک تھے۔ قاضی ابونعیم نے اصحابِ صفّہ کی تعداد سَو سے زیادہ بتائی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو قلندری کا مقام عطا کرتا ہے تو وہ زمان و مکان (TIME AND SPACE) کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے اور سارے ذی حیات اس کے ماتحت کر دیئے جاتے ہیں اور کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس کے تابعِ فرمان ہوتا ہے۔ لیکن اللہ کے یہ نیک بندے غرض، ریا، طمع، حرص، لالچ سے توکب کے رخصت ہو چکے ہوتے ہیں۔ اس لئے جب خدا کی مخلوق ان کی خدمت میں کوئی گزارش پیش کرتی ہے تو اس کو سنتے بھی ہیں اور اس کا تدارک بھی کرتے ہیں کیوں کہ انہیں قدرت نے اسی کام کے لئے مقرر کیا ہے۔

یہی وہ پاکیزہ اور قدسی نفس اللہ کے بندے ہیں جن کے بارے

میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"میں اپنے بندوں کو دوست رکھتا ہوں اور اُن کے کان، آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں۔ پھر وہ میرے ذریعے سنتے ہیں، میرے ذریعے بولتے ہیں اور میرے ذریعے چیزیں پکڑتے ہیں۔"

# تعارُف

اَبدالِ حق، سلسلۂ اویسیہ عظیمیہ کے بانی مبانی، رسالہ رُوحانی ڈائجسٹ کے رُوحِ رواں، مرشدنا و سیّدنا حَسَن اُخریٰ محمد عظیم برخیا رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی کا ذکرِ جمیل پیش کرنے سے قبل، ہم آپ کے نامِ نامی اسمِ گرامی پر روشنی ڈالیں گے تاکہ قارئین حضور بابا صاحبؒ کے مقام اور مرتبۂ ولایت کو پہچان لیں۔

حضور بابا صاحب کا پورا اسمِ گرامی:

## حَسَن اُخریٰ سیّد محمد عظیم برخیا

المعروف

## حضور قلندر بابا اولیاءؒ

حَسَن اُخریٰ۔ حضور بابا صاحبؒ کا خطاب ہے۔ یہ خطاب بطریقِ اویسیہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہِ اقدس سے عطا ہوا ہے۔ اور بارگاہِ رسولؐ میں ان ہی مقدس کلمات سے حضور بابا جیؒ مخاطب بخطاب فرمائے



جاتے ہیں۔

محمد عظیم، حضور بابا جیؒ کی پیدائش کے بعد رکھا گیا تھا۔ آپ نجیب الطرفین سادات میں سے ہیں۔ اور آپ کا خاندانی سلسلہ حضرت امام حسن عسکریؒ سے جا ملتا ہے۔ اس لئے آپ سیّد کہلائے جاتے ہیں۔

برخیا، آپ کا تخلّص ہے۔ تکمیلِ وابستگی شوقِ شعر و سخن کے لئے حضور بابا صاحبؒ نے برخیا کا تخلّص اختیار کیا تھا۔

قلندر بابا اولیاءؒ، حضور بابا صاحب کا عُرف ہے۔ مرتبۂ قلندریت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے ملائکہ ارضی و سماوی اور حاملانِ عرش میں "قلندر بابا اولیاءؒ" کے نام سے مشہور ہیں اور یہی عُرفیت یعنی "قلندر بابا اولیاءؒ" عامۃ النّاس میں زبان زدِ عام ہے۔

# جائے پیدائش

حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۹۸ء میں قصبہ خورجہ، ضلع بُلند شہر، یو۔پی (بھارت) میں پیدا ہوئے۔

# تعلیم و تربیت

قلندر بابا اولیاءؒ نے قرآنِ پاک اور ابتدائی تعلیم محلّہ کے مکتب میں حاصل کی۔ کہتے ہیں کہ ہونہار پوت کے پاؤں پالنے میں نظر آجاتے ہیں۔ چنانچہ قلندر باباؒ بچپن ہی سے انتہائی ذہین، باادب، خلیق اور ملنسار تھے

اور اچھے بُرے کی تمیز رکھتے تھے۔ پڑھنے کے وقت نہایت توجہ سے پڑھتے اور ساتھیوں کے ساتھ محبت اور سلوک سے پیش آتے تھے۔

قلندر بابا اولیاءؒ نے ابتدائی تعلیم خورجہ میں حاصل کرنے کے بعد ہائی اسکول تک بُلند شہر میں پڑھا اور پھر انٹر (INTER) میں داخلہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں لیا۔

## روحانی تربیت

علی گڑھ میں قیام کے دوران آپ کی طبیعت میں درویشی کی طرف میلان بہت زیادہ بڑھ گیا۔ اور وہاں مولانا کابلیؒ کے پاس قبرستان کے حُجرے میں زیادہ وقت گزارنے لگے۔ صبح تشریف لے جاتے اور رات گئے واپس آتے۔ اسی اثنار میں قلندر باباؒ اپنے نانا' بابا تاج الدین ناگپوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ناناؒ نے انہیں وہاں روک لیا۔ قلندر باباؒ کے والد صاحب کو جب یہ پتہ چلا تو وہ ناگپور تشریف لے گئے۔ اور بابا تاج الدین صاحبؒ سے عرض کیا کہ اس کی تعلیم نامکمل رہ جائے گی۔ اسے واپس علی گڑھ بھیج دیجئے۔ اُستادوں کے استاد، واقفِ اسرار و رموز، حاملِ علمِ لدُنی بابا تاج الدینؒ نے فرمایا کہ اس کو اگر اس سے زیادہ پڑھایا گیا جتنا یہ اب تک پڑھ چکا ہے تو یہ میرے کام کا نہیں رہے گا۔ قلندر باباؒ کے والد صاحب نے ایک مشفق باپ کی طرح بیٹے کو سمجھایا اور جب دیکھا کہ بیٹے کا میلانِ طبع فقر کی طرف مائل ہے تو انہوں نے یہ کہہ کر " بیٹے! تم خود سمجھدار ہو، جس طرح سے چاہو،



اپنا مستقبل تعمیر کرو" انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

قلندر بابا اولیاءؒ اپنے نانا تاج الدین اولیاءؒ کے پاس نو سال تک مقیم رہے۔ نو سال کے عرصے میں بابا تاج الدینؒ نے ان کی روحانی تربیت فرمائی۔ تربیت کے زمانے میں بے شمار واقعات میں سے چند واقعات کا تذکرہ اور اس کی علمی توجیہ ابدالِ حق قلندر بابا اولیاءؒ نے کتاب " تذکرہ تاج الدین باباؒ " میں فرمائی ہے۔

## درونِ خانہ

کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتْ کے مصداق تربیت کے اسی زمانے میں حضور بابا صاحبؒ کی والدہ ماجدہ سعیدہ بی بی چار بیٹیوں اور بیٹوں کو چھوڑ کر عالمِ بقا میں تشریف لے گئیں۔ حضور بابا صاحبؒ کی ایک ہمشیرہ کے علاوہ سب بچے بابا صاحبؒ سے چھوٹے تھے اور ان میں سے کوئی بھی سنِ شعور کو نہیں پہنچا تھا۔ قلندر بابا اولیاءؒ اپنے بہن بھائیوں کی تربیت میں کمر بستہ ہو گئے اور بچوں کی تربیت کے سلسلے میں دقت پیش آئی تو بابا تاج الدین ناگپوریؒ کے ارشاد کے مطابق ان کے ایک عقیدتمند کی صاحبزادی سے دہلی میں آپ کی شادی ہوئی۔

تقسیمِ ہند کے بعد حضور قلندر بابا اولیاءؒ مع اپنے اہل و عیال اور والد اور بہن بھائیوں کے ساتھ کراچی تشریف لے آئے۔ کراچی میں لی مارکیٹ کے محلّے میں ایک نہایت خستہ و بوسیدہ مکان کرائے پر لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد خان

بہادر عبد اللطیف، کمشنر بحالیات ( REHABILITATION COMMISSIONER ) جو حضور بابا تاج الدین ناگپوریؒ کے عقیدت مند تھے، نے حضور بابا صاحبؒ سے فرمایا کہ ایک درخواست لکھ کر دے دیجئے تاکہ آپ کے لئے کوئی اچھا سا مکان الاٹ ( ALLOT ) کر دیا جائے۔ حضور بابا صاحب نے خان بہادر کی اس درخواست پر توجہ نہیں دی اور اسی مکان میں رہتے رہے۔

قلندر باباؒ نے زندگی میں کبھی صابن سے ہاتھ نہیں دھوئے۔ گرم پانی سے ہاتھ دھو کر تولئے سے صاف کر لیا کرتے تھے۔ ہاتھ دھونے میں کافی وقت صرف ہو جاتا تھا۔ جب تک ہاتھ میں لگی ہوئی چکنائی دور نہیں ہو جاتی تھی، ہاتھ دھوتے رہتے تھے۔ روزمرّہ استعمال کی چیزوں کی ایک جگہ مقرر تھی۔ کوئی چیز جگہ سے بے جگہ ہو جاتی تو طبیعت پر گراں گزرتی۔

ایک دور ایسا بھی آیا کہ حضور قلندر بابا اولیاءؒ پر جذب و مستی اور عالمِ استغراق کا غلبہ ہو گیا۔ اکثر اوقات خاموش رہتے اور گاہے گاہے گفتگو بھی بے ربط ہو جایا کرتی تھی لیکن جذب و کیفیت کی یہ مدت زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہتی تھی۔

علمِ لدنی کی تعلیم کے دوران اور اس کے بعد بھی حضور بابا صاحبؒ ڈھائی تین گھنٹے سے زیادہ کبھی نہیں سوئے۔ نیند پر ان کو پوری طرح غلبہ اور دسترس حاصل تھی۔ غذا کے معاملے میں بہت زیادہ محتاط تھے۔ چوبیس گھنٹے میں زیادہ سے زیادہ دو چپاتی اور کبھی ایک چپاتی تناول فرمایا کرتے۔



# روزگار

شادی کے بعد حضور بابا صاحبؒ دہلی میں قیام پذیر ہو گئے۔ سلسلۂ معاش قائم رکھنے کے لئے مختلف رسائل و جرائد کی صحافت اور شعراء کے دیوانوں کی اصلاح اور ترتیب کا کام اپنے لئے منتخب کیا۔ شب میں شہر کے شعراء، ادباء کی محفلیں جمتیں اور دن کے وقت ان کے پاس صوفی منش لوگ آتے اور تصوف پر سیر حاصل گفتگو اور تبصرے ہوتے۔ آپ کے شاعرانہ اَدبی مشوروں سے شعراء مستفید ہوتے اور اہلِ ذوق حضرات آپ کی صحبتِ صالحہ سے مشرف و بامراد ہوتے تھے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے کراچی میں مستقل سکونت اختیار کرنے کے بعد ذریعۂ معاش کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ لارنس روڈ کی فٹ پاتھ پر روزانہ صبح جا کر بیٹھ جاتے تھے اور بجلی کے فیوز ( FUSE ) وغیرہ لگا کر اپنی زندگی بسر کرتے۔ رفتہ رفتہ جب لوگوں کو کراچی میں ان کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ اردو ڈان میں سب ایڈیٹر (SUB-EDITOR) کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ اس کے بعد ایک عرصہ تک رسالہ نقاد میں کام کرتے رہے۔ کچھ رسالوں کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیئے۔ کئی مشہور کہانیوں کے سلسلے بھی قلم بند کئے۔ جو دوسروں کے نام سے چھپتی رہیں۔ سلسلہ وار کہانیوں سے متعلق ایک کتاب بھی زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی اور وہ عوام میں اتنی مقبول ہوئی کہ اس کے بے شمار ایڈیشن شائع ہوئے۔

## بیعت

سنہ ۱۹۵۶ء میں سلسلۂ سہروردیہ کے بزرگ قطبِ ارشاد حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ[1] کراچی تشریف لائے۔ حضور بابا صاحبؒ اُنکی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت حاصل کرنے کی درخواست پیش کی۔ حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ نے فرمایا کہ رات کو تین بجے آؤ۔ سخت سردی کا عالم تھا کہ حضور بابا صاحبؒ گرانڈ ہوٹل، میکلوڈ روڈ کی سیڑھیوں پر رات کے دو بجے جاکر بیٹھ گئے۔ اور ٹھیک تین بجے سہروردی بزرگؒ نے دروازہ کھولا اور اندر بلا لیا۔ سامنے بٹھاکر حضور بابا صاحبؒ کی پیشانیِ مبارک پر تین پھونکیں ماریں۔ پہلی پھونک میں عالمِ اَرواح منکشف ہوگیا۔ دوسری پھونک میں عالمِ ملکوت و جبروت سامنے آگیا اور تیسری پھونک میں حضور بابا صاحبؒ نے عرشِ معلیٰ کا مشاہدہ کیا۔

## مقامِ ولایت

حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ نے قطبِ ارشاد کی تعلیمات تین ہفتے میں پوری کر کے خلافت عطا فرما دی۔

اس کے بعد حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کی رُوح پُرفتوح نے حضور بابا صاحبؒ کی روحانی تعلیم شروع کی اور پھر یہ سلسلہ یہاں تک پہنچا کہ

---

[1] حضرت قلندر علی سہروردیؒ کا مزار شریف لاہور (سنجوال) میں واقع ہے۔



سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے براہِ راست علمِ لدُنی عطا فرمایا۔ اور سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہمت اور نسبت کے ساتھ بارگاہ ربّ العزت میں پیشی ہوئی اور اسرار و رموز کا علم حاصل ہوا۔

اس زمانے میں حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مسلسل دس رات اور دس دن شب بیداری کی اور تہجد کی نوافل میں کئی کئی سو مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھی۔

جن بزرگوں کی ارواحِ طیبات اور جن سلسلوں سے حضور قلندر بابا اولیاءؒ کو نسبتِ اویسیہ کے تحت فیض حاصل ہوا ہے ان کی تفصیل دیئے گئے نقشے "نسبتِ فیضان" میں بیان کی گئی ہے۔

## اخلاقِ حسنہ

حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ حُسنِ اخلاق کا ایسا سراپا تھے کہ جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ ابتدا ہی سے آپ کی طبیعت میں بے پناہ سادگی اور شخصیت میں ایک خاص وقار نمایاں نظر آتا تھا۔ پریشانی میں دل جُوئی کرنا، دوسرے کی تکلیف کو اپنی تکلیف اور دوسرے کے درد کو اپنا درد سمجھنا اور نہ صرف سمجھنا بلکہ دوسرے شخص کی توقع سے کہیں زیادہ بڑھ کر اُس کا دُکھ بانٹنا وہ اعلیٰ اوصاف تھے جن کا اظہار آپؒ کی ذاتِ بابرکات نے اوائلِ عمر ہی سے شروع کر دیا تھا۔

# بچپن اور شباب

آپؒ کے بچپن کے ایک ساتھی جناب سید نثار علی بخاری فرماتے ہیں:

"بچپن کے حالات میں یہ بات بہت زیادہ اہم ہے کہ قلندر باباؒ کی کبھی کسی سے لڑائی نہیں ہوئی اور دوسری بات یہ کہ ہم عمر ساتھی ہمیشہ ان کا ادب و احترام کرتے تھے اور یہ خود اپنے ہم عمر اور اپنے سے کم عمر ساتھیوں سے 'آپ'، 'جناب' کے ساتھ گفتگو کرتے تھے۔ کبھی ایسا کوئی کھیل نہیں کھیلا جو اخلاق کے منافی ہو۔"

ایک مرتبہ کسی بات پر بھائی نثار علی صاحب سے حضور بابا صاحب کی طبیعت میں تکدر پیدا ہوگیا۔ کئی مہینے تک ایک دوسرے سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اسی اثنا میں عید آگئی۔ عید کے مبارک و مسعود موقع پر جناب بھائی نثار علی صاحب حضور بابا صاحبؒ کے گھر تشریف لے گئے۔ حضور بابا صاحبؒ انہیں دیکھ کر کھل اٹھے اور نہایت اخلاق اور خندہ پیشانی کے ساتھ بھائی نثار علی صاحب کی پذیرائی کی اور گلے مل کر اس قدر روئے کہ چہرہ آنسوؤں سے بھیگ گیا۔ بھائی نثار علی صاحب فرماتے ہیں:

اُس روز میرے اندر گداز کی ایسی کیفیت پیدا ہوئی کہ میری آنکھوں سے اشکوں کا سیل رواں ہوگیا۔ اور میں اس قدر رویا کہ زندگی میں کبھی اتنا نہیں رویا۔ نہ شکوہ نہ شکایت۔ اس کے بعد ہماری دوستی بدستور قائم ہوگئی۔ اس واقعہ کے بعد ستر سال تک محمد عظیم برخیا رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ دوستی کا



شرف حاصل رہا۔ پاکستان بننے کے بعد جب میں کراچی آگیا تو بھائی صاحبؒ کا یہ معمول رہا کہ وہ ہفتے میں ایک روز میرے غریب خانے پر تشریف لاتے تھے۔ یہ معمول اس وقت ٹوٹا جب وہ صاحبِ فراش ہوگئے اور چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے۔ مجھ سے فرمایا:

"بھائی! اب میں چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہا ہوں۔ آپ آجایا کریں۔"

بھائی صاحب کی عظمت و شان کا کیا تذکرہ کروں کہ اکثر و بیشتر ایسا بھی ہوا کہ سخت بخار چڑھا ہوا ہے اور وہ وقت مقررہ پر میرے غریب خانے پر تشریف لے آئے اور طبیعت کتنی ہی خراب کیوں نہ ہوئی بھائی صاحب قبلہؒ کبھی بھی میرے گھر آکر لیٹے نہیں۔ ایک مخصوص نشست گاہ پر وقت مقررہ تک تشریف رکھتے تھے اور واپس ہو جاتے تھے۔

# اوصافِ حمیدہ

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فطرتاً ذہین، حلیم الطبع، مخلص، شاعر، فلاسفر، وسیع المعلومات، خلیق، سخن سنج اور پُرمزاح تھے۔ جب کوئی ملاقاتی یا دوست آپ کے پاس آتے تو ممکنہ خاطر و مدارات کرتے، بڑے اطمینان سے اُس کی بات سنتے اور مطمئن کر دیتے تھے۔ اپنے حلقۂ احباب میں خاص طور پر اور عامۃ الناس میں عام طور سے نہایت عزت و جاہ کے مالک مانے جاتے تھے۔ اور بہت ہی مقبول اور ہر دلعزیز تھے۔ آپ جس جگہ تشریف لے جاتے لوگ نہایت خندہ پیشانی سے آپ کا پرجوش استقبال کرتے۔ اور آپ کے فرمودات بہت انہماک سے

سنتے تھے۔ ابتدائی دور میں آپ کو شطرنج سے بھی شوق تھا۔ اور شطرنج میں
اس قدر مہارت تھی کہ انہیں ایک سو سے زیادہ چالیں ازبر تھیں۔

# عظمت

ایک مرتبہ لیٹر پیڈ (LETTER-PAD) پر نام چھپوانے
کے لئے حضور بابا صاحبؒ سے اجازت طلب کی۔ حسن اُخریٰ سید محمد عظیم برخیاؔ
لکھ کر خدمت میں پیش کیا گیا۔ حضور بابا صاحبؒ نے لفظ 'سید' پر دائرہ بنا دیا
اور فرمایا کہ نام کے ساتھ یہ نہ لکھا جائے۔ عرض کیا گیا کہ آپ نجیب الطرفین
سید ہیں۔ اس لئے درخواست ہے کہ 'سید' لکھنے کی اجازت مرحمت فرما دی جائے۔
حضور بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ "سید" لکھنا اس شخص کو زیب دیتا
ہے جس کے اندر سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کچھ تو اوصاف موجود
ہوں اور یہ کہہ کر زار و قطار رونے لگے۔ اتنا روئے کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔
روتے روتے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں ارشاد کیا۔ "میں خود کو اس کا اہل نہیں
سمجھتا کہ اپنے نام کے ساتھ 'سید' لکھوں۔

# صلبی اولاد

حضور بابا صاحبؒ نے اپنے پس ماندگان میں چار صلبی اولادیں چھوڑی
ہیں جن میں دو صاحب زادے اور دو صاحب زادیاں ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی
حسب ذیل ہیں :



۱۔ شمشاد احمد
۲۔ رؤف احمد
۳۔ سلیمہ خاتون
۴۔ تسلیمہ خاتون

# تصنیفات

قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی اولاد کو بابا صاحبؒ
کے فیض کو عام کرنے کے لئے تین کتابیں بطور ورثہ منتقل ہوئی ہیں۔
علم و عرفان کا سمندر **رباعیات قلندر بابا اولیاءؒ** ۔
اسرار و رموز کا خزانہ **لوح و قلم** ،
کشف و کرامات اور ماورائی علوم کی توجیہات پر مستند
کتاب **تذکرہ تاج الدین باباؒ** ۔
اس کے علاوہ قلندر بابا اولیاءؒ نے اپنی روحانی اولاد کے لئے عالم
لاہوت، ملکوت، جبروت اور ارض و سماوات کی تخلیق اور تسخیر کائنات
کے فارمولوں پر بہت سارے نقشے بنا کر دیئے ہیں۔
حضور بابا صاحبؒ کی زیر سرپرستی **روحانی ڈائجسٹ** کا پہلا جریدہ
یکم دسمبر ۱۹۷۸ء کو منظر عام پر جلوہ گر ہوا۔ روحانی ڈائجسٹ کے بیشتر ٹائٹل
جزوی تبدیلی کے ساتھ انہیں نقشوں کی عکاسی کرتے ہیں۔
حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی زندگی میں ہی ایک ٹرسٹ، عظیمیہ ٹرسٹ

فاؤنڈیشن کے نام سے تشکیل پاگیا تھا۔ عظیمیہ ٹرسٹ فاؤنڈیشن نے نارتھ کراچی میں مزار شریف اور خانقاہ کے لئے زمین حاصل کی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اس وقت قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ محوِ استراحت ہیں اور مزار شریف مرجعِ خلائق ہے۔



# شجرۂ عالیہ

**امام حسن عسکری**
(گیارہویں امام)

فضیل مہدی عبداللہ عرب
(دونوں کا جد دادا۔ نانا دونوں)
مدینہ سے مدراس تشریف لائے

**ددھیال**

حسین مہدی رکن الدین
(مدراس سے کشمیر آئے پھر یہ ہزارہ میں مقیم ہوگئے ۱۴۹ سال ۸ ماہ عمر پائی)

مخدوم حسین مہدی جمال الدین
عرف اللہ دین

حسین مہدی بدیع الدین شیر دل

**حسن اخری محمد عظیم برخیا**

حسن مہدی سراج الدین
(بندگی شاہ حسین)
عبدالقدیر

حسن مہدی ظہیر الدین
لاولد

سعیدہ

**حسن اخری محمد عظیم برخیا**
(المعروف قلندر بابا اولیاءؒ)

**ننھیال**

حسن مہدی جلال الدین
(مدراس میں رہے)

حسن مہدی صدر الدین

حسن مہدی بدر الدین

**محمد تاج الدینؒ**
(غیر شادی شدہ)
(تاج الاولیاء حضرت بابا تاج الدین ناگپوریؒ)

# نسبتِ فیضان

# کشف وکرامات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

" میں چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے محبت کے ساتھ مخلوق کو تخلیق کیا تاکہ میں پہچانا جاؤں۔"

پہچاننے کے لئے ضروری تھا کہ مخلو[illegible] سے اور خالق کی صفات سے متعارف ہو۔ تعارف کے لئے ضروری ہے کہ درمیان میں ایک ذات ایسی ہو جو تعارف کا منشاء پورا کر سکے۔ تعارف کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ تعارف کرانے والا خود ذات کی پوری صفات کا عارف نہ ہو۔ لہٰذا یہ ضروری ہوا کہ ذات باری کی صفات کا واقف ایک ایسا فرد پیدا ہو جو خالق کے اس منشاء کو جو مخلوق میں تعارف سے ہے، پورا کر سکے۔ یہی نورٌ علیٰ نور سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی سنت میں نہ تبدیلی واقع ہوتی ہے اور نہ تعطل پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پردہ فرمانے کے بعد یہ سلسلہ حضورؐ کی امت میں اولیاء اللہ کے ذریعے قائم ہے۔ اور ابد تک قائم رہے گا۔ ایسے بندوں سے جب کوئی خرقِ عادت صادر ہوتی ہے تو کرامت

کہلاتی۔ اور یہی خرقِ عادت جب پیغمبروں کے ذریعے سامنے آتی ہے تو معجزہ کہلاتی ہے۔ چوں کہ ان پاکیزہ ہستیوں کو حضور اکرمؐ سے خاص نسبت ہوتی ہے اس لئے ان کی ذاتِ والاصفات سے ایسے ایسے واقعات منظرِ عام پر آتے ہیں جن کی عقلی تشریح ممکن نہیں۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وارث اور اللہ کے دوست حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ بابرکات سے جو کرامات وقتاً فوقتاً صادر ہوتی رہی ہیں، قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔

## کبوتر زندہ ہوگیا

مجھے کبوتر پالنے کا شوق تھا۔ ایک مرتبہ ایک فاختہ آکر کبوتروں کے ساتھ دانہ چگنے لگی۔ ایک کبوتر کے ساتھ اس کا جوڑا ملا دیا گیا۔ اس کے انڈوں سے جو دو بچے نکلے وہ اپنی خوبصورتی میں یکتا اور منفرد تھے۔ پروں کا رنگ گہرا سیاہ اور باقی جسم سفید تھا۔ اُن کے اندر اس قدر کشش تھی کہ جو دیکھتا تعریف کئے بغیر نہ رہتا۔ شامتِ اعمال، ایک روز صبح سویرے بلی نے ایک کبوتر کو پکڑا اور چھت پر لے گئی۔ میں نے جب بلی کے منہ میں یہ کبوتر دیکھا تو میں اس کے پیچھے دوڑا۔ اوپر پہنچ کر میں نے دیکھا کہ بلی نے کبوتر کے بال و پر الگ کر دیئے ہیں اور بیٹھی اُسے کھا رہی ہے۔ غصہ تو بہت آیا مگر پھر سوچا کہ کبوتر تو اب مر ہی چکا ہے، بلی کو ہی پیٹ بھرنے دیا جائے اور جب یہ کبوتر کھا چکے گی تو اسے سزا دوں گا۔ یہ خیال آتے ہی میں نیچے چلا گیا۔ لیکن مجھے اتنا شدید صدمہ تھا کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری



ہو گئے۔ حضور بابا صاحب قبلہؒ پہلی منزل کے کمرے میں تخت پر تشریف فرما تھے۔ میں نے حضرت سے احتجاجاً عرض کیا کہ بلی نے میرا کبوتر مار دیا ہے۔ حضور بابا صاحب نے فرمایا ایسا ہی ہوتا ہے۔ میں نے جواباً عرض کیا کہ آپ کے ہوتے ہوئے بلی میرا کبوتر لے جائے، یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ کہنے کے بعد میں دل برداشتہ باورچی خانے میں جا کر ناشتہ تیار کرنے لگا۔ میرے حضور باباجیؒ نے مجھے آواز دی لیکن غصے نے مجھے گستاخی کرنے پر مجبور کر دیا اور میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دوبارہ آواز دی۔ وہ بھی میں نے اَن سُنی کر دی۔ یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب بھائی محسن صاحب بھی میرے ساتھ رہتے تھے۔ حضور بابا صاحبؒ نے بھائی محسن کو آواز دی اور میرے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ خواجہ صاحب کو کبوتر کے مرنے کا بہت صدمہ ہے۔ اور وہ باورچی خانے میں بیٹھے رو رہے ہیں۔ حضور بابا صاحبؒ ان کی اس بات سے متاثر ہوئے اور فرمایا۔" خواجہ صاحب کو بلاؤ اور ان سے کہو کہ ان کا کبوتر آگیا ہے۔"

بھائی محسن صاحب صحن میں آئے تو دیکھا کہ وہ کبوتر دوسرے کبوتر کے ساتھ موجود تھا۔ بھائی محسن نے یہ بات مجھے بتائی تو میں نے اس کو مذاق پر محمول کیا اور سمجھا کہ یہ بات میری دل جوئی کے لئے کہہ رہے ہیں۔ لیکن جب انہوں نے سنجیدگی سے کہا کہ آپ باہر جا کر دیکھیں تو سہی تو میں بے یقینی کے عالم میں اٹھ کر صحن میں آیا۔ دیکھا تو کبوتر موجود تھا۔ کبوتر کو دیکھتے ہی میں دوبارہ دوڑا ہوا چھت پر گیا۔ اور تخت کے نیچے دیکھا تو وہاں خون کے دھبّے اور کچھ پر پڑے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر مجھے شدید ندامت اور شرمندگی ہوئی۔ میں نے نیچے آکر حضور بابا صاحبؒ کے پیر پکڑ لئے

اور اپنی گستاخی کی معافی چاہی۔ شام ہونے سے پہلے پہلے سارے کبوتر تقسیم کر دیئے۔

## گونگی بہری لڑکی

حضور بابا صاحبؒ کی خدمت میں ایک لڑکی کو پیش کیا گیا جو پیدائشی طور پر گونگی اور بہری تھی۔

جن لوگوں نے حضور قلندر بابا اولیاءؒ کو قریب سے دیکھا ہے وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کے مزاج میں احتیاط بہت تھی اور وہ کرامات سے طبعاً گریز فرماتے تھے۔ اس دن نہ معلوم کون سا وقت تھا کہ حضور بابا جیؒ نے لڑکی کو مخاطب کر کے فرمایا۔ "تیرا نام کیا ہے؟"

ظاہر ہے گونگی بہری لڑکی کیا جواب دیتی۔ خاموش رہی۔ دوسری دفعہ آپ نے پھر فرمایا۔ "بتا تیرا نام کیا ہے؟"

لڑکی پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی رہی۔ تیسری بار انہیں جلال آگیا۔ سخت غصہ کے عالم میں مارنے کے سے انداز میں ہاتھ اٹھایا اور فرمایا۔ "بتا، تیرا نام کیا ہے؟"

اور لڑکی نے بولنا شروع کر دیا۔ میرا اندازہ ہے کہ اس وقت اس لڑکی کا سن سولہ، سترہ سال کا ہوگا۔

## موسلا دھار بارش

حضور قلندر بابا اولیاءؒ کا معمول تھا کہ ہفتے کے روز شام کے وقت وہ اپنے گھر جاتے تھے اور اتوار کی شام واپس تشریف لے آتے تھے۔ ایک مرتبہ اتوار کے روز مغرب سے کچھ پہلے بارش شروع ہوگئی، شدید اور موسلا دھار بارش۔ میں نے یہ سوچ کر کہ بارش بہت تیز ہے اور حضور بابا جیؒ تشریف نہیں لائیں گے، گھر کے دروازے



بند کر دیئے اور سونے کے لیے لیٹ گیا۔ کچھ دیر بعد میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ حضور بابا جیؒ تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے سمجھا کہ انتظار کرتے کرتے میں سو گیا تھا اس لئے شاید خواب دیکھ رہا ہوں۔ لیکن جب میں چارپائی پر اٹھ کر بیٹھا تو بابا جیؒ نے مجھے آواز دی۔ میں حیرت زدہ ہو کر نہایت تیزی کے ساتھ اور گھبراہٹ کے عالم میں چارپائی سے اٹھا اور بابا صاحبؒ کے قریب جا کر پوچھا۔ "اتنی تیز بارش میں آپ کیسے تشریف لائے؟"

بابا جیؒ مسکرائے اور فرمایا۔ "بس، میں آگیا۔"

میں نے بابا صاحبؒ کی شیروانی اٹھائی تاکہ اس کو کھونٹی پر لٹکا دوں تو یہ دیکھ کر مزید حیران ہوا کہ شیروانی کے اوپر پانی کی ایک بوند بھی نہیں تھی۔ میں نے پھر عرض کیا۔ "آپ اس طوفانی بارش میں لارنس روڈ سے ناظم آباد تشریف لے آئے اور آپ کی شیروانی بھیگی تک نہیں؟"

بابا صاحبؒ نے تبسم فرمایا اور کہا۔ "خواجہ صاحب! ٹائم اسپیس محض مفروضہ ہے۔ یہ بات ابھی آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔"

## میں نے ٹوکری اٹھائی

ایک رات تقریباً ساڑھے گیارہ بجے کا وقت تھا کہ بابا صاحبؒ نے ارشاد فرمایا "مچھلی مل جائے گی؟"

میں نے عرض کیا۔ "حضور! ساڑھے گیارہ بجے ہیں۔ میں کوشش کرتا ہوں کسی ہوٹل میں ضرور ملے گی۔"

بابا صاحبؒ نے فرمایا۔ "نہیں، ہوٹل کی پکی ہوئی مچھلی میں نہیں کھاتا۔ گھر

میں پکی ہوئی مچھلی کو دل چاہ رہا ہے۔"

میں تشویش و پنج میں پڑ گیا کہ اس وقت کچی مچھلی کہاں سے ملے گی۔ اس زمانے میں ناظم آباد کی آبادی بہت کم تھی۔ بہرحال، میں نے اپنے دل میں یہ سوچ لیا کہ مچھلی ضرور تلاش کرنی چاہیئے۔ یہ سوچ کر میں نے ٹوکری اٹھائی تو باباصاحبؒ نے فرمایا: "اب رہنے دو۔ صبح دیکھا جائے گا۔"

ایک گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ باہر جا کر دیکھا تو ایک صاحب ہاتھ میں رہو مچھلی لئے کھڑے ہیں۔ انہوں نے کہا: "میں ٹھٹھہ سے آرہا ہوں اور یہ مچھلی باباقلندرؒ کی نذر ہے۔"

یہ کہتے ہی وہ رخصت ہوگئے۔

## مہر کی رقم

میرا نکاح ڈھاکہ، سابق مشرقی پاکستان میں ہوا تھا۔ نکاح کے وقت مہر کے مسئلے پر اختلاف ہوگیا۔ سسرال والوں کا کہنا یہ تھا کہ مہر کی رقم زیادہ ہونی چاہیئے۔ میں اس بات پر بضد تھا کہ مہر کی رقم اتنی ہونی چاہیئے جو میں ادا کرسکوں۔ جب فریقین کسی نتیجے پر پہنچنے کے لئے تیار نہیں ہوئے تو میں نے دیکھا کہ قلندر باباؒ میرے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ حالاں کہ وہ اس وقت کراچی میں تھے۔ فرمایا: "لڑکی والے جو مہر باندھ رہے ہیں اسے قبول کرلو۔"

میں نے عرض کیا: "مجھ میں اتنی استطاعت نہیں ہے۔"

باباجی نے ذرا لہجہ بدل کر فرمایا: "ہم جو کہہ رہے ہیں اس کی تعمیل کرو۔"

چنانچہ راضی خوشی نکاح کی تقریب پوری ہوگئی۔



## فرشتے

میں اکثر رات کو قلندر باباؒ کی کمر دباتے وقت یہ دیکھتا تھا کہ چھت اور دیواروں میں سے دودھیا رنگ کی روشنی پھوٹ رہی ہے۔ اندھیرے کمرے میں یہ روشنی اچانک نمودار ہوتی تو میں بعض اوقات سخت خوف زدہ ہوجاتا تھا۔ ایک رات میں اتنا خوف زدہ ہوا کہ جسم پر لرزہ طاری ہوگیا۔ باباجیؒ نے میری پیشانی پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: "ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ مردانِ غیب ہیں۔" پھر یہ بات تقریباً روزانہ کا مشاہدہ بن گئی کہ حضور باباصاحبؒ لیٹے ہوئے ہیں، میں کمر دبا رہا ہوں اور کوئی صاحب حضور باباصاحبؒ کے سامنے آکر کھڑے ہوگئے۔ میں نے اکثر یہ بھی دیکھا کہ یکایک چکاچوند روشنی ہوگئی اور کوئی فرشتہ باباصاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ باباصاحبؒ نے کچھ ہدایات دیں اور وہ چلا گیا۔

## مشک کی خوشبو

کبھی کبھی باباصاحبؒ کے سینے میں سے خوشبو کی لپٹیں اٹھتی تھیں اور یہ خوشبو مشک کی ہوتی تھی۔ جب ایسا ہوتا تو میں باباصاحبؒ کے مقدس سینے پر سر رکھ کر اس خوشبو کو سونگھتا تھا۔ اور میرے اوپر مستی اور بےخودی کی ایک کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔

## ایثار و محبت

ایک روز حضور باباصاحبؒ گھٹنوں کو ہاتھوں کے حلقے میں لئے بیٹھے تھے۔ میں نے حضور باباجیؒ کے پیروں پر اپنا سر رکھ دیا اور ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ میں سوگیا۔ اس وقت دن کے دس بجے تھے۔ جب میری آنکھ کھلی تو شام کے چار بج رہے تھے۔ مسلسل چھ گھنٹے تک حضور باباصاحبؒ نے اپنی نشست نہیں بدلی اور ایک ہی نشست سے بیٹھے رہے تاکہ میری نیند خراب نہ ہو۔ بیدار ہونے کے بعد جب میں نے گھڑی دیکھی تو ندامت سے میری پیشانی عرق

آلودہ ہوگئی۔

## چولستان کا جنگل

ایک دفعہ میں چولستان کے جنگل میں شکار پارٹی کے ساتھ شکار کے لئے گیا ہوا تھا۔ وہاں پارٹی سے بچھڑ کر راستہ بھٹک گیا۔ صبح سے شام تک سرگرداں رہا اور ادھر اُدھر بھٹکتا پھرا۔ بالآخر بھوک سے بے تاب اور کمزوری سے نڈھال ہوکر ایک کبوتر پر فائر کر دیا۔ کیونکہ گوشت بھوننے کے لئے ماچس پاس نہیں تھی، اس لئے گوشت کچا ہی کھا گیا۔ یہ ایک لمبی کہانی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے کس طرح محفوظ رکھا جب کہ مشہور یہ ہے کہ چولستان کے جنگل میں بھٹکے ہوئے راہی کی لاش تک نہیں ملتی۔ قصہ کوتاہ، کبوتر کا کچا گوشت کھانے سے معدہ اور آنتوں کا نظام درہم برہم ہوگیا اور پیچش کی شکایت لاحق ہوگئی جو ہر قسم کا علاج کرنے کے باوجود ختم نہیں ہوئی۔ جب تکلیف حد سے بڑھ گئی تو حضور باباصاحبؒ نے فرمایا۔ "آپ میرے پاس لیٹ جائیں۔ میں آج آپ کا معدہ تبدیل کرکے پُرانے معدہ اور پُرانی آنتوں کی جگہ نیا معدہ اور نئی آنتیں بنا دیتا ہوں۔"

باباصاحبؒ نے ایک ہاتھ میری پیشانی پر رکھا اور دوسرا ہاتھ پیٹ پر۔ چار پانچ منٹ اسی طرح آنکھیں بند کئے بیٹھے رہے اور پھر فرمایا۔ "بس، اب ٹھیک ہے۔ چھ مہینے تک آپ ایسی غذائیں کھائیں جو بچوں کو دی جاتی ہیں اس لئے کہ اب آپ کا معدہ اور آنتیں بالکل نئی ہیں۔"

قلندر باباحضورؒ کی کرامت کا اعجاز ہے کہ چوبیس سال گزرنے کے بعد بھی باباصاحبؒ کے اس غلام کو کبھی پیچش کی شکایت لاحق نہیں ہوئی۔



## ہر شئے میں اللہ نظر آتا ہے

ایک دفعہ آدھی رات کو میں حضور قلندر باباؒ کی کمر دبا رہا تھا اور باباصاحبؒ قرآن پاک کی آیات میں اللہ تعالےٰ کی بیان کردہ حکمت مجھے سمجھا رہے تھے۔ باباصاحبؒ نے مجھ سے ارشاد کیا کہ فلاں آیت پڑھو۔ میں نے تلاوت کی۔ پھر فرمایا "اس آیت کا سات بار ورد کرو۔"

ساتویں مرتبہ جب میں نے اس آیت کو پڑھا تو نظروں کے سامنے سے پردہ ہٹا اور یہ بات مشاہدے میں آئی کہ ہر شئے میں اللہ بستا ہے۔ دیوار کی طرف نظر اٹھی تو یہ دیکھ کر حیرت میں ڈوب گیا کہ دیوار فی نفسہٖ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اس دیوار کو اللہ تعالےٰ سنبھالے ہوئے ہیں۔ غسل خانے میں جا کر ٹونٹی کھولی تو یہ بات مشاہدے میں آئی کہ نلکے سے بہنے والے پانی میں بھی خدا ہی جلوہ گر ہے۔ مسلسل اور لگاتار اڑتالیس گھنٹے اس مشاہدے کے بعد مجھ پر استغراق طاری ہوگیا۔ باباصاحبؒ نے پھر توجہ کی اور آہستہ آہستہ یہ کیفیت معمول پر آگئی۔

## زمین پر بٹھا دو

حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی خدمت میں ایک ایسا مریض لایا گیا جس کے دونوں گھٹنے جڑے ہوئے تھے۔ اور وہ چلنے پھرنے سے معذور تھا۔ اعزا اور اقربا ان بزرگ مریض کو گود میں اٹھا کر اوپر لائے۔ خلافِ معمول حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا۔ "ان کو زمین پر بٹھا دو۔"

باباصاحبؒ نے ان بزرگ مریض کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ جسم نے پہلے ایک جھرجھری لی اور پھر تیز قسم کے تین جھٹکے لگے۔ باباصاحبؒ نے فرمایا۔ "آپ کھڑے ہو جائیں۔" مریض نے تکلف کیا اور کہا: "سالہا سال گزر گئے ہیں، کھڑا نہیں ہو سکتا۔"

باباصاحبؒ نے پھر فرمایا: "آپ کھڑے ہوجائیں!"

وہ صاحب میکانکی طور پر کھڑے ہوگئے اور اپنے پیروں سے چل کر سیڑھیاں اترے اور گھر چلے گئے۔

## جن مرد اور جن عورتیں

کبھی کبھی یہ دیکھتا تھا کہ حضور باباؒ کے کمرے میں ایک جم غفیر ہے۔ جس میں عورتیں اور مرد شامل ہیں۔ بار بار یہ منظر دیکھنے کے بعد میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ باباصاحبؒ نے فرمایا: "یہ سب تمہارے پیر بھائی اور پیر بہنیں ہیں۔"

کافی عرصے بعد اس راز پر سے پردہ اٹھا اور میں یہ سمجھنے کے قابل ہوگیا کہ یہ سب نوعِ اجنّہ کی مخلوق تھی۔

## پیش گوئی

اللہ تعالیٰ کے نظام ہائے تکوین سے متعلق گفتگو کے دوران ایک مرتبہ حضور باباصاحبؒ نے ایک بچہ کی ولادت کی پیشین گوئی کی جس کو جون ۱۹۶۰ء میں پیدا ہونا تھا۔ جون ۱۹۶۰ء کی تاریخ آئی تو میں نے دوبارہ استفسار کیا، جس کے جواب میں مجھے بتایا گیا کہ وہ بچہ عالمِ ارواح سے عالمِ ناسوت میں آگیا ہے۔ جب یہ چالیس سال کی عمر کو پہنچے گا تو دنیا کے تمام مذاہب میں ایک انقلاب برپا کرے گا۔ مذاہب کی گرفت ٹوٹ جائے گی اور وہ خالص مذہب باقی رہے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے دینِ حنیف قرار دیا ہے۔ سائنس کی بڑی بڑی ایجادات کے فارمولے اُسے ازبر ہوں گے۔ سائنسداں اور دانشور اس کی علمی فضیلت سے لرزہ براندام ہوں گے جب کہ اس کی تعلیم زیادہ نہیں ہوگی۔ اس کی روحانی قوت کا عالم یہ ہوگا کہ اس کی نگاہ کے



اشارے سے ہواؤں کا رخ بدل جائے گا۔ امن و سکون کے متلاشی نوعِ انسان اس کے اردگرد اس طرح جمع ہوجائے گی جس طرح شمع کے گرد پروانے۔ یہ بچہ فخرِ عالم، سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وارث ہوگا۔

## درخت بھی باتیں کرتے ہیں

جس کمرے میں حضور قلندر بابا اولیاءؒ قیام فرما تھے اس کے سامنے احاطہ کی دیوار سے باہر بادام کا ایک درخت تھا۔ ایک روز باتوں باتوں میں حضور باباصاحبؒ نے فرمایا: "یہ درخت مجھ سے اس قدر باتیں کرتا ہے کہ میں عاجز آگیا ہوں۔ میں نے اس سے کئی مرتبہ کہا ہے کہ زیادہ باتیں نہ کیا کر۔ میرے کام میں خلل پڑتا ہے۔ مگر یہ سنتا ہی نہیں۔"

بات رفت گزشت ہوگئی۔ ایک روز صبح بیدار ہونے کے بعد دیکھا کہ درخت غائب ہے۔ بڑی حیرانی ہوئی کہ اتنا بڑا درخت راتوں رات کہاں غائب ہوگیا۔ جاکر دیکھا کہ درخت کو جڑ سے کاٹ لیا گیا ہے۔ آج تک یہ بات معمہ بنی ہوئی ہے کہ اتنے بڑے درخت کو کس نے کاٹا اور کیسے لے گیا۔ نیز درخت کاٹنے میں جب اُس پر کلہاڑی پڑی ہوگی تو آواز بھی ہوئی ہوگی۔ آنکھ بھی نہیں کھلی۔ میں نے اس سلسلے میں حضور باباصاحبؒ سے پوچھا تو وہ مسکرا کر خاموش ہوگئے۔

## لعل شہباز قلندرؒ

ایک مرتبہ میں نے حضور باباصاحبؒ کی خدمت میں عرض کیا: "میرا دل چاہتا ہے کہ میں سیہون شریف ہو آؤں۔" فرمایا: "ابھی ٹھہر جاؤ۔" مختصر یہ کہ لعل شہباز قلندرؒ کے مزار پر جانے کی خواہش ایک تقاضا بن گئی اور میں بے چین و بے قرار رہنے لگا۔ جب بھی جانے کی

اجازت چاہتا، بابا صاحبؒ یہی فرماتے "ابھی ٹھہر جاؤ۔" ایک ہفتہ یا کچھ زیادہ دن گزر گئے تو سیہون شریف پہنچنے کی خواہش دیوانگی کی شکل اختیار کر گئی۔ ایک روز بندر روڈ سے بس میں سوار ہو کر ناظم آباد انکوائری بس اسٹاپ پر اُترا تو دیکھا کہ نُٹ پاتھ پر لعل شہباز قلندرؒ کھڑے ہوئے ہیں۔ میں نے سلام کے بعد معانقہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو قلندر صاحبؒ نے مصافحہ کرنے کے بجائے ہاتھ کے اشارے سے مجھے منع کر دیا اور فرمایا "تم ہمیں بہت یاد کر رہے تھے۔ ہم خود ہی تمہارے پاس آ گئے۔" تقریباً آدھ گھنٹے تک وہ میرے پاس رہے اور پھر تشریف لے گئے۔

## صاحبِ خدمت بزرگ

یہ ۱۹۶۵ء کا واقعہ ہے۔ پاک بھارت جنگ اپنی پوری ہولناکیوں کے ساتھ جاری تھی۔ روزانہ بھارتی ریڈیو پر یہ اعلان ہو رہا تھا کہ کراچی کے فلاں فلاں علاقوں پر بمباری کی گئی۔ کراچی کے رہنے والوں نے یہ خبر بھی سُنی کہ لالو کھیت کا ہوائی اڈہ تباہ کر دیا گیا ہے۔ لوگوں میں سراسیمگی اور خوف و دہشت دیکھ کر میں نے بابا صاحبؒ سے عرض کیا: "اب کیا ہو گا؟"

فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی حفاظت و نُصرت پاکستان کے ساتھ ہے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا یہ حکم ہے کہ پاکستان کی حفاظت کی جائے۔ چنانچہ تعمیلِ ارشاد میں اہلِ تکوین نے ایک صاحبِ خدمت مقرر کیا ہے جو گاندھی گارڈن میں بیٹھا ہے۔ اس کے سپرد یہ خدمت ہے کہ کراچی کو بمباری سے نقصان نہ پہنچے۔"

میں شوق کے عالم میں اس بندے کے پاس پہنچا۔ اور سلام کیا۔ اس بندے نے سر اُٹھا کر سُرخ سُرخ آنکھوں سے مجھے دیکھا اور کہا۔ "یہاں سے چلے جاؤ۔"



صحیح یاد نہیں، غالباً دوسرے یا تیسرے دن وہ بندہ سورج نکلنے سے پہلے گھر پر حاضر ہوا۔ میں نے جب ان کو دیکھا تو نہایت حیرت کے عالم میں بابا صاحبؒ سے عرض کیا۔ "حضور! وہ گارڈن والے صاحب آئے ہیں۔"

فرمایا: "عزت و اکرام کے ساتھ انہیں اوپر لے آؤ۔"

یہ صاحب اوپر تشریف لائے۔ فوجی سیلوٹ کی طرح سلام کیا اور اپنی کارکردگی کی رپورٹ پیش کی۔ حضور بابا صاحبؒ نے فرمایا۔ "جلدی سے چائے لے آؤ۔" چائے کے ساتھ میں نے ڈبل روٹی کے توس یا پاپے بھی پیش کئے۔ اس بندۂ خدا نے صرف چائے پی۔ جب میں نے اصرار کیا کہ آپ ناشتہ کر لیں تو بابا صاحب نے فرمایا۔ "ان کو ایک ہفتے تک صرف چائے پینے کی اجازت ہے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ارشاد کے مطابق انہیں چائے کے علاوہ کوئی اور چیز کھانے کو نہیں دی جائے گی تاکہ پیٹ بھرا ہونے کی بنا پر انہیں نیند یا غنودگی نہ آ جائے۔"

## فرشتے حفاظت کرتے ہیں

حضور قلندر بابا اولیاءؒ کا یہ معمول تھا کہ ہفتہ کی شام کو اپنے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ اتوار کی شام کو مظفر صاحب، سابق سیلز ڈائرکٹر، بروک بانڈ کمپنی کے گھر ایک نشست ہوتی اور وہاں سے بابا صاحبؒ 1/7-5-1، ناظم آباد آ جاتے تھے۔ ایک روز شیروانی اتارتے ہوئے فرمایا: "آج میں نے گرو مندر پر چند فرشتے دیکھے۔ ان سے پوچھا کہ تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ابھی کچھ دیر بعد ایک حادثہ ہونے والا ہے۔ جن لوگوں کی موت کا ابھی وقت نہیں آیا ہے، ہمیں ان کی حفاظت پر مامور کیا گیا ہے۔ اگلی صبح اخبار آیا تو حادثے کی تفصیلات اسی طرح

درج تھیں جس طرح باباصاحبؒ نے فرمایا تھا۔

## سٹّہ کا نمبر

میرے ایک بہت عزیز دوست نے اصرار کرکے مجھے اس بات پر مجبور کر دیا کہ میں انہیں سٹّہ کا نمبر بتا دوں۔ رات کو اسباق سے فارغ ہونے کے بعد میں نے استخارے کی وہ دُعا پڑھی جس سے بیداری میں حالات منکشف ہو جاتے ہیں۔ دیکھا کہ ایک پردہ ہے جیسے سینما کی اسکرین (SCREEN) ہوتی ہے۔ اور اس پر نمبر لکھے دیئے ہیں۔ ابھی نمبروں کو اچھی طرح ذہن نشین نہیں کر پایا تھا کہ میرے اور پردے کے درمیان باباصاحبؒ کا ہاتھ آگیا نہایت غصیلی آواز میں کہا۔ "کیا کرتا ہے؟" اس کے ساتھ ہی میری نظروں کے سامنے سے پردہ غائب ہوگیا۔

## بیوی بچّوں کی نگہداشت

اسی طرح کا ایک واقعہ یہ ہے کہ میرے ایک دوست مولوی صاحب نے مجھ سے اصرار کیا کہ میرے اوپر توجہ کی جائے۔ اگر کوئی مجھے دماغی نقصان پہنچے تو اس کی کوئی ذمّہ داری آپ کے اوپر نہیں ہوگی۔ میں نے نادانی میں ان سے وعدہ کر لیا۔ صبح فجر کی اذان کے وقت جب میں ان کی طرف متوجہ ہوا اور اپنے لطیفۂ قلبی اور نفسی کی روشنیاں ان کے لطیفۂ اخفیٰ میں منتقل کیں تو فوراً حضور باباجیؒ کا ہاتھ سامنے آگیا۔ تیز آواز میں مجھے تنبیہ کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ان کے بیوی بچوں کی نگہداشت تم کروگے؟ مولوی صاحب کا دماغ الٹ گیا تو ان کے بیوی بچوں کا کیا بنے گا؟ یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے کہ آدمی جا و بے جا اپنی طاقت کا مظاہرہ کرے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ کسی شخص کی تربیت کرکے اس قابل بنا دیا جائے



کہ وہ اس طاقت کا متحمل ہو سکے۔

## نیلم کی انگوٹھی

مجھے اپنے باباجی قبلہؒ پر اتنا ناز تھا کہ شاید کسی کو ہو۔ بتانا یہ غلام ہمراز تھا، شاید کوئی نہ ہو۔ لطف و عنایت کی بارش جتنی اس عاجز و مسکین پر فرماتے تھے، وہ خیال و تصوّر اور اظہار و بیان سے بالا ہے۔ ایک روز میں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں انگوٹھی پہننا چاہتا ہوں۔ فرمایا "بالکل ٹھیک ہے۔ آپ انگوٹھی میں نیلم پہنیں۔"

بازار میں جب نیلم کی قیمت معلوم کی تو وہ میری استطاعت سے باہر نکلی۔ رُہانسا منہ بنا کر عرض کیا۔ "حضور! نیلم تو بہت مہنگا پتھر ہے۔"

حضور باباجیؒ خاموش ہوگئے۔ دوسرے دن صبح آٹھ اور نَو کے درمیان میں فریئر روڈ پر جا رہا تھا کہ نالے کے قریب کھڑے ہوئے ایک فقیر نے مجھے آواز دی۔ میں سمجھا کہ کوئی سوالی ہے۔ اُسے ایک آنہ دے دیا جائے۔ جب میں قریب پہنچا تو اس سے پہلے کہ میں اُسے خیرات دوں اس نے میرے ہاتھ پر ایک انگوٹھی رکھ دی۔ انگوٹھی میں نیلم جڑا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا۔ "یہ انگوٹھی کتنے کی ہے؟"

اس بندۂ خدا نے کہا۔ "قیمت پوچھ کر کیا کروگے؟ تم اس کی قیمت ادا نہیں کر سکتے۔"

اللہ معاف کرے، میں سمجھا کوئی فراڈ ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ بھائی قیمت کے بغیر انگوٹھی نہیں لوں گا۔ اس نے یہ سن کر جواب دیا کہ نہیں مانتے تو سوا پانچ روپے دے دو۔ کیوں کہ میں بازار سے نیلم کی قیمت معلوم کر چکا تھا اس لئے میرے اس خیال کو مزید تقویت پہنچی کہ یہ آدمی کوئی ایسا ویسا ہے۔ میں نے کہا۔ "بھائی مجھے

یہ انگوٹھی نہیں چاہیئے۔"

میرا یہ کہنا تھا کہ فقیر کو جلال آگیا۔ نہایت درشت لہجے میں بولا "تو شک کرتا ہے۔ لے انگوٹھی اور چلا جا۔ اپنے بڑوں کو لے جا کر دکھا۔ کل میں اسی وقت یہاں پھر ملوں گا۔"

کام وغیرہ تو میں سب بھول گیا۔ انگوٹھی لے کر حضور باباجیؒ کے پاس آیا اور اُنکی خدمتِ بابرکت میں ساری روئداد سُنائی۔ باباجی قبلہؒ نے میری اس گستاخی کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا اور فرمایا "یہ سچا نیلم ہے۔"

اب تو میرے اوپر بڑی دہشت طاری ہوئی اور میں اس سوچ میں غرق ہوگیا کہ وہ فقیر کون ہے جس نے اتنی قیمتی انگوٹھی مجھے تحفے میں دے دی۔

باباجیؒ نے مجھ سے فرمایا "کل صبح بہت سویرے اسی جگہ جا کر ان بزرگ کا انتظار کرنا اور کوشش کرنا کہ وہ تمہارے ساتھ ناشتہ کرلیں اور ساتھ ہی عقیدت و احترام سے خمیدہ ہوکر ان کو سوا پانچ روپے نذر کردینا۔"

قصہ مختصر میں فقیر کے بتائے ہوئے وقت سے کافی پہلے وہاں جا کر اُن کا انتظار کرنے لگا۔ وہ ہنستے ہوئے نمودار ہوئے اور فرمایا "خوب ڈانٹ پڑی ہے، خوب ڈانٹ پڑی ہے۔"

میں نے معافی چاہی اور سوا پانچ روپے ان کو نذر کئے۔ بہت خوش ہوکر یہ نذر سر پر رکھی اور مجھے ڈھیروں دعائیں دیں۔ میں نے عرض کیا "میں نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا ہے۔ آپ کے ساتھ ناشتہ کرنے کو دل چاہتا ہے۔"

بولے "اللہ تمہیں خوش رکھے۔ یہ چار آنے لو اور میری طرف سے



ناشتہ کرلو۔"

تاریخ، ماہ و سال یاد رکھنے میں میرا حافظہ کمزور ہے۔ اس وقت حلوہ پوری ایک آنے کی ملتی تھی۔

## قلندر کی نماز

ایک روز حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی خدمت میں عرض کیا "حضور! کیا آپ کو نماز میں مزہ آتا ہے؟"

فرمایا "ہاں!"

میں نے عرض کیا "مجھے تو کبھی یہ پتہ نہ چلا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ بہت کوشش کرتا ہوں کہ خیالات ایک نقطہ پر مرکوز ہوجائیں مگر ذرا سی دیر کے لئے کامیابی ہوتی ہے اور پھر ذہن بھٹک جاتا ہے۔"

فرمایا "میں ایک ترکیب بتاتا ہوں۔ اس سے ذہنی مرکزیت حاصل ہوجائے گی۔"

حضور باباجیؒ نے مجھے سجدہ کی حالت میں انگلیوں کی مخصوص حرکت تلقین فرمائی اور فرمایا کہ یہ عمل صرف عشاء کی نماز میں آخری رکعت کے آخری سجدہ میں کرنا۔

میں نے تہجد کے بعد وتروں کی آخری رکعت کے آخری سجدہ میں یہ عمل کیا تو واقعی میری پریشاں خیالی دھواں بن کر اڑ گئی۔ میں نے فجر کی نماز میں بھی اس عمل کو دُہرایا اور پھر ظہر، عصر اور مغرب و عشاء اور تہجد میں بھی یہ عمل کرتا رہا۔ میں یہ بھول گیا کہ صرف ایک وقت یہ عمل کرنا ہے۔ تہجد کی آخری رکعت کے آخری سجدہ میں جب میں نے یہ عمل کیا تو سجدہ کی حالت میں محسوس ہوا کہ میرے دائیں اور بائیں کوئی کھڑا ہے لیکن میں خوف زدہ ہونے کے باوجود یہ عمل دہراتا گیا۔ اور سجدہ

ضرورت سے زیادہ طویل ہوگیا۔ اب ڈر کے مارے میرا دَم گھٹنے لگا اور میں جلدی جلدی نماز ختم کرکے پلنگ پر جالیٹا۔

یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب میرے غریب خانے میں بجلی نہیں تھی۔ ہُو کا عالم تھا اور ماحول کے سناٹے میں گیدڑوں کی آواز کے سوا اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ میرے گھر کے آس پاس کوئی مکان بھی نہیں تھا۔ اور جو مکان تھے وہ کافی فاصلے پر تھے۔ لیمپ بھی بجھا ہوا تھا۔ گھبراہٹ میں دیا سلائی بھی نہیں ملی۔ اتفاق سے میں پورے گھر میں اکیلا تھا۔ اور ڈر کے مارے حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے۔ جیسے تیسے پلنگ پر لیٹے لیٹے آیت الکرسی پڑھنا شروع کردی۔ لیکن آیت الکرسی کے ورد سے دہشت اور زیادہ بڑھ گئی۔ اور دل کی حرکت بند ہوتی ہوئی معلوم ہونے لگی۔ پھر ایک دَم دل کی حرکت تیز ہوگئی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ دل سینہ کی دیوار توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ میں نے اب قل ہُو اللہ شریف پڑھنا شروع کردیا۔ جیسے ہی قل ہو اللہ شریف ختم ہوئی میرا جسم اوپر اٹھنے لگا۔ اور اُٹھتے اٹھتے چھت سے جالگا۔ میں نے ہاتھ لگا کر دیکھا کہ یہ واقعی چھت ہے یا میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ ہاتھ سے چھو کر دیکھا تو واقعتاً میں چھت سے لگا ہوا تھا۔

مجھے یہ خوف ہوا کہ اب میں نیچے گروں گا اور ہڈی پسلی نہ بھی ٹوٹی تو بھیجا تو ضرور باہر آجائے گا۔ اسی وقت میں نے دیکھا کہ دو ہاتھ تیزی سے میری گردن کی طرف آئے۔ ایک ہاتھ نے میرے دل کو سنبھالا۔ اور ایک ہاتھ نے میرا منہ بند کردیا۔ مجھ پر اس نادیدہ ہاتھ کی اس قدر دہشت طاری ہوئی کہ میں بے ہوش ہوگیا۔ صبح کے وقت سے پہلے میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے دادا حضرت مولانا



خلیل احمد انبیٹھوی ، حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضور قلندر بابا اولیاءؒ مکان کے صحن میں گھبرائے ہوئے کھڑے ہیں اور حضور قلندر بابا اولیاءؒ بے چین اِدھر سے اُدھر ٹہل رہے ہیں اور فرما رہے ہیں۔

"یہ کیا ہوگیا؟" پھر زور سے فرمایا جیسے کسی سے کہہ رہے ہوں۔ "اس کو ہر حال میں زندہ رہنا ہے۔"

صبح کو جب میں اُٹھا تو میرے جسم کا ایک ایک عضو دُکھ رہا تھا۔ شام تک قدرے قرار آیا اور میں حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

فرمایا۔ "تم نے میرے کہنے کے خلاف عمل کرکے سب کو پریشان کردیا۔ اللہ نے فضل فرمایا نہیں تو کام تمام ہوگیا تھا۔"

## وراثتِ علمِ لدُنّی

ایک رات تہجد کی نماز کے بعد میں نے درود خضری پڑھتے ہوئے خود کو سیدنا حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربارِ اقدس میں حاضر پایا۔ اور مشاہدہ کیا کہ حضور اکرمؐ تخت پر تشریف فرما ہیں۔ اس بندہ نے حضورؐ کے تخت کے سامنے دوزانو بیٹھ کر درخواست کی:

یارسولؐ اللہ، اے اللہ کے حبیبؐ، اے باعثِ تخلیقِ کائناتؐ، محبوبِ پروردگار، رحمت للعالمینؐ، جن و انس اور فرشتوں کے آقا، حاملِ کون و مکان، مقامِ محمود کے مکینؐ، اللہ تعالیٰ کے ہم نشین، علمِ ذات کے امینؐ، خیر البشرؐ، میرے آقاؐ! مجھے علمِ لدُنّی عطا فرما دیجئے۔ میرے ماں باپ آپؐ پر نثار، آپؐ کو حضرت اویس قرنیؒ کا واسطہ، آپؐ کو حضرت ابوذر

غفاریؓ کا واسطہ، آپؐ کو آپ کے رفیق حضرت ابوبکر صدیقؓ کا واسطہ، آپؐ کو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا واسطہ، آپؐ کو حضرت فاطمہؓ، علیؓ اور حسنینؓ کا واسطہ اپنے اس بندے پر نظرِ کرم فرما دیجئے اور علمِ لدُنی عطا فرما دیجئے!

میرے آقا! آپؐ کو قرآنِ کریم کا واسطہ، آپؐ کو اسمِ اعظم کا واسطہ، آپؐ کو تمام پیغمبروں کا واسطہ، آپ کے جدِ امجد حضرت ابراہیمؑ کا واسطہ، اور ان کے ایثار کا واسطہ، میرے آقا! میں آپؐ کے در کا بھکاری ہوں۔ آپ کے علاوہ کون ہے جس کے سامنے دستِ سوال دراز کروں۔ میں اس وقت تک آپؐ کے در سے نہیں جاؤں گا جب تک آپ میرا دامنِ مُراد نہیں بھر دیں گے۔ آقا! میں غلام ہوں، غلام زادہ ہوں۔ میرے جدِ امجد حضرت ابو ایوب انصاریؓ پر آپ کی خصوصی شفقت و رحمت کا واسطہ، مجھے نواز دیجئے۔

دریائے رحمت جوش میں آگیا۔ فرمایا: "کوئی ہے؟"

دیکھا کہ حضور قلندر بابا اولیاءؒ دربار میں آکر مؤدب ایستادہ ہیں، اس طرح جیسے نماز میں نیت باندھے کھڑے ہوں۔ حضور بابا جیؒ نے نہایت ادب اور احترام سے فرمایا: "یا رسول اللہ! میں آپ کا غلام حاضر ہوں۔"

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "تم اس کو کس رشتہ سے وراثت دینا چاہتے ہو؟"

حضور قبلہ بابا صاحبؒ نے فرمایا: "یا رسول اللہ! اس کی والدہ میری بہن ہیں۔"

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تبسم فرمایا اور ارشاد ہوا: "خواجہ ابو ایوب انصاریؓ کے بیٹے! ہم تجھے قبول فرماتے ہیں۔"



اس وقت میں نے دیکھا کہ میں حضور قبلہ بابا صاحبؒ کے پہلو میں کھڑا ہوں۔

## مستقبل کا انکشاف

میرے پیر بھائی، ذکی صاحب حیدر آباد میں فرنیچر کا کام کرتے ہیں۔ ان کی شادی کا مسئلہ درپیش تھا۔ ذکی صاحب کے والد صاحب نامساعد حالات کی بنا پر ابھی شادی کرنا نہیں چاہتے تھے۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے ان سے فرمایا کہ شادی فوراً کر دی جائے ورنہ یہ شادی عرصے تک نہیں ہو سکے گی۔ بہرحال، جیسے تیسے کر کے شادی ہو گئی۔ رخصتی کو ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ان کے ایک قریبی رشتہ دار کا انتقال ہو گیا۔ ابھی ان کا چالیسواں بھی نہیں ہوا تھا کہ خاندان میں ایک اور موت واقع ہو گئی۔ اس سلسلے نے اتنا طول کھینچا کہ چالیس دن پورے نہیں ہوتے تھے کہ کسی ایک کا انتقال ہو جاتا تھا اور یہ المناک سلسلہ کئی سال سے جاری ہے۔

## اولیاء اللہ کے پچیس [۲۵] جسم ہوتے ہیں

برصغیر اور بیرون ملک ایسے لوگ اب بھی موجود ہیں جنہوں نے ایک دن اور ایک وقت میں مختلف مقامات پر حضور قلندر بابا اولیاءؒ کو دیکھا ہے۔ کسی کے ساتھ حضور بابا صاحبؒ نے مصافحہ کیا، کسی کو سینے سے لگایا، کہیں چائے نوش فرمائی اور کسی کو ہدایت دی کہ ایسا کرو، ایسا نہ کرو۔ اس بات کا اظہار اس طرح ہوا کہ مجھے (راوی کو) لوگوں نے بتایا اور کچھ لوگوں نے خطوط کے ذریعے اطلاع دی کہ حضور بابا صاحبؒ تشریف لائے تھے۔

مجھے (خواجہ شمس الدین عظیمی) اللہ کے فضل و کرم سے یہ اعزاز حاصل رہا ہے کہ حضور بابا صاحبؒ کے نام جتنے خطوط آتے تھے اُن کا جواب میں لکھتا تھا۔

ایک مرتبہ سوئیٹزرلینڈ سے خط آیا جس میں حضور بابا صاحبؒ کی تشریف آوری سے متعلق بہت زیادہ تشکر و امتنان کا اظہار تھا اور یہ بھی تحریر تھا کہ میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق فلاں کام کر دیا ہے۔ جب میں نے یہ خط بابا صاحبؒ کو سنایا تو ان سے عرض کیا کہ اس عرصے میں تو آپ کہیں نہیں گئے، یہ کیا لکھا ہے؟

قلندر بابا اولیاءؒ مسکرائے اور فرمایا۔ "اہلِ تکوین حضرات کے پچیس[۲۵] جسم ہر وقت کام کرتے ہیں اور جب کام کی زیادتی ہوتی ہے تو ان کی تعداد چالیس[۴۰] سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ [۱]

## فرائڈ اور لی بی ڈو

جناب بی زمان صاحب، ڈپٹی سکریٹری کے ساتھ ایک مرتبہ مجھے سنٹرل ہوٹل، کراچی میں محترم دوست شان الحق حقی کے پاس جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں فرائڈ کا تذکرہ چل نکلا حقی صاحب نے فرمایا فرائڈ نے ایک اصطلاح ایجاد کی ہے "لی بی ڈو"۔ اس کا اردو ترجمہ کیا ہے؟

میں کچھ نروس ہو گیا۔ اس لئے کہ میں انگریزی پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ پلک جھپکنے کے عمل کے ساتھ میں نے دیکھا کہ حضور بابا صاحبؒ سامنے کھڑے ہیں۔ فرمایا "کہہ دو لی بی ڈو کا اُردو ترجمہ نہیں ہوا ہے۔"

---

[۱] تکوین سے مراد اللہ تعالےٰ کا نظام (ADMINISTRATION) ہے اور اللہ کے وہ مقرب بندے جو انتظامی امور میں اللہ تعالےٰ کا نظام چلانے کیلئے کسی خدمت پر مامور کئے گئے ہوں، اہلِ تکوین کہلاتے ہیں۔ مثلاً قطب، غوث، ابدال وغیرہ وغیرہ۔



میں نے حقی صاحب سے عرض کیا کہ صاحب لی بی ڈو کا اردو ترجمہ کوئی نہیں ہے۔ حقی صاحب نے کہا کہ لی بی ڈو کا اُردو ترجمہ ہے۔

میں نے عرض کیا "بتا دیجئے کیا ترجمہ ہے؟"

حقی صاحب نے کہا: "میں کل بتاؤں گا۔"

اگلے روز میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے کہا کہ لی بی ڈو کا ترجمہ معلوم کرنے آیا ہوں۔ حقی صاحب بہت خوب اور مرنجاں مرنج انسان ہیں۔ انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا کہ آپ کا کہنا صحیح ہے۔ ابھی تک لی بی ڈو کا اُردو ترجمہ نہیں ہوا ہے۔

## جسمِ مثالی یا AURA

ایک مرتبہ جسم مثالی[۱] (AURA) کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ اس خادم نے عرض کیا کہ جب اصل انسان جسم مثالی ہے اور گوشت پوست کا جسم اس کا لباس ہے تو جسم مثالی سے ہر وہ کام لیا جا سکتا ہے جو گوشت پوست کا جسم انجام دیتا ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا۔ "ہاں! یہ بات صحیح ہے۔"

میں نے عرض کیا۔ "کیا بجلی کا سوئچ بھی آن، آف (ON , OFF) کیا

---

[۱] ظاہری جسم کی طرح انسان کے اوپر ایک اور جسم ہے جو گوشت پوست کے جسم سے تقریباً ۹ اِنچ اوپر ہمہ وقت موجود رہتا ہے۔ اسی جسم کو جسمِ مثالی (AURA) کہا جاتا ہے۔ انسانی گوشت پوست کے جسم کا دار و مدار اس جسمِ مثالی کے اوپر ہے۔ جسمِ مثالی کے اندر صحت مندی موجود ہے تو گوشت پوست کا جسم بھی صحت مند ہے۔ یعنی انسانی زندگی کے اندر جتنے تقاضے موجود ہیں وہ تقاضے گوشت

جا سکتا ہے؟"

یہ بات میرے منہ سے نکلی ہی تھی کہ کٹ کی آواز آئی اور کمرے میں اندھیرا ہوگیا۔ کچھ دیر بعد سوئچ کے آن (ON) ہونے کی آواز آئی اور کمرے میں روشنی پھیل گئی۔

## آپریشن سے نجات

پیٹ میں شدید درد ہونے کی بنا پر ایک صاحب سیون ڈے ہسپتال (SEVEN-DAY HOS-PITAL) میں داخل ہوگئے۔ جب کسی طرح مرض کی تشخیص نہ ہوسکی تو ڈاکٹروں نے فیصلہ کیا کہ پیٹ کھول کر دیکھا جائے کہ کیا تکلیف ہے۔ آئندہ روز آپریشن کرنے کا وقت مقرر ہوگیا۔ رات کو اُن صاحب کے والد صاحب آئے۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی خدمت میں عرض کیا۔ "کل میرے بیٹے کا آپریشن ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ آپریشن کامیاب ہو۔"

حضور بابا صاحبؒ نے ہنس کر فرمایا۔ "آپریشن کی ضرورت نہیں ہے۔ ناف ٹل گئی ہے۔ کسی جانکار سے کہیں کہ پیر کے انگوٹھے کھینچ دے تاکہ ناف جگہ پر آجائے۔"

---

پوست کے جسم میں پیدا نہیں ہوتے بلکہ وشنیوں سے بنے ہوئے جسم مثالی میں پیدا ہوتے ہیں اور وہاں سے منتقل ہوکر گوشت پوست کے جسم کے اوپر ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی اس بات کی خواہش کرتا ہے کہ اس کو روٹی کھانی ہے تو بظاہر ہمیں یہ بات نظر آتی ہے کہ گوشت پوست کا بنا ہوا جسم روٹی کھا رہا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ جب تک جسم مثالی کے اندر بھوک کا تقاضہ پیدا نہیں ہوگا اور جسم مثالی گوشت پوست کے جسم کو بھوک یا پیاس کا عکس منتقل نہیں کرے گا، آدمی کھانا نہیں کھا سکتا۔



وہ صاحب بے یقینی کے عالم میں اٹھے اور کمرے سے باہر جا کر مجھ سے کہا۔ "قلندر بابا نے مجھے ٹال دیا ہے۔"

میں نے کہا۔ "کیا حرج ہے کسی کو دکھا دیں۔"

قصہ کوتاہ، صبح سویرے ایک صاحب ہسپتال گئے اور انہوں نے ناف ٹھیک کر دی۔ جس وقت مریض کو آپریشن تھیٹر لے جانے کا وقت آیا تو ڈاکٹر یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اب درد کا نام و نشان نہیں تھا۔

## کراچی سے تھائی لینڈ میں علاج

جناب بی زمان صاحب (ریٹائرڈ ڈپٹی سکریٹری، فنانس) کا بیان ہے کہ تھائی لینڈ میں ان کی بیگم صاحبہ کو خون دینے کی نوبت پیش آئی۔ زمان صاحب نے حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی طرف متوجہ ہوکر عرض کیا "حضور! بیگم کی طبیعت بہت خراب ہے۔ ڈاکٹر مایوس نظر آرہے ہیں۔"

اور دیکھتے ہی دیکھتے خون کی کمی پوری ہوگئی۔ اس کے نتیجے میں خون دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ خون دینے سے متعلق سارے کے سارے انتظامات بے کار ثابت ہوئے۔

## ایک لاکھ روپے خرچ ہوگئے

ایک صاحب، خدا انہیں غریق رحمت کرے، اقبال محمد صاحب کے۔ڈی۔اے (K.D.A.) میں ڈپٹی سکریٹری تھے۔ ان کے ایک دوست کے بچے سے قتل ہوگیا۔ اقبال صاحب اپنے دوست کے ساتھ حضور بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تفصیلی حالات سُن کر حضور بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ

کی جناب میں عرضی پیش کروں گا۔ انشاءاللہ یہ کیس ختم ہوجائے گا۔

کئی سال مقدمہ چلنے کے بعد لڑکا بری ہوگیا۔ کامیابی پر ایک تقریب منعقد کی گئی۔ اس میں اقبال محمد صاحب بھی موجود تھے۔ اقبال صاحب نے اپنے دوست سے کہا۔ "آپ نے میرے پیر و مرشد کی کرامت دیکھی کہ اللہ تعالےٰ نے کس طرح سے ان کی دعا کو شرفِ قبول بخشا۔"

اس کے جواب میں دوست نے طنزیہ انداز میں کہا کہ میں نے اس کیس (CASE، مقدمہ) پر تقریباً ایک لاکھ روپیہ خرچ کردیا ہے۔ اس میں حضور باباصاحبؒ کی کرامت کیا ہوئی؟ جناب اقبال صاحب کو یہ بات بہت ناگوار گزری اور وہ وہاں سے اٹھ آئے اور یہ بات جناب بدر صاحب سے جا کہی۔ بدر صاحب کا یہ معمول تھا کہ وہ صبح دفتر جانے سے پہلے حضور باباصاحبؒ کو سلام کرنے حاضر ہوتے تھے۔ پتہ نہیں کیا ہوا کہ بدر صاحب جیسے متحمل مزاج آدمی نے یہ ساری رُوداد سنادی۔ یہ سُنکر حضور قلندر بابا اولیاءؒ جلال میں آگئے۔ نہایت غصّے کے عالم میں فرمایا۔ "اس کا مطلب یہ ہوا کہ پیسہ ہی سب کچھ ہے۔ اور نعوذ باللہ، اللہ کچھ نہیں ہے۔ اب دیکھئے کون بچاتا ہے اور دولت کتنا کام آتی ہے۔"

نتیجے میں قتل کا یہ کیس دوبارہ شروع ہوا۔ مال و زر کا جتنا اثاثہ تھا سب ختم ہوگیا۔

جناب بدرُالزماں صاحب اس واقعہ کو سُناتے ہیں تو ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کاش میں نے اس بات کا تذکرہ نہ کیا ہوتا!



## پولیو کا علاج

ایک صاحب ہیں، جاوید صاحب۔ لالوکھیت میں ان کی گارمنٹ (ملبوسات) کی دکان ہے۔ ان کے بچے کو پولیو ہوگیا۔ حضور باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بچے کو چارپائی پر لٹادیا حضور باباصاحبؒ نے کوئی مفرد دوا بتائی اور فرمایا اس کو پانی میں پکا کر ٹانگ کو بھپارا دو۔ صرف ایک دفعہ کے عمل سے پولیو ختم ہوگیا۔ لیکن عجب رمز ہے کہ اب جاوید صاحب کو نہ تو اس بوٹی کا نام یاد ہے اور نہ ہی اس کی شکل یاد ہے۔ وہ جب بھی کسی پولیو زدہ بچے کو دیکھتے ہیں، ان کے دل سے ایک آہ نکلتی ہے کہ کاش میں نے اُس دوا کا نام لکھ لیا ہوتا!

## ٹوپی غائب اور جنّات حاضر

اکثر یہ ہوتا تھا کہ حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی ٹوپی غائب ہوجاتی تھی۔ کبھی کبھی انہیں اس بات پر ناراض ہوتے ہوئے بھی دیکھا گیا۔ ایک دن میں نے پوچھا یہ کیا مسئلہ ہے، دیکھتے ہی دیکھتے ٹوپی غائب ہوجاتی ہے۔ آخر یہ کون لے جاتا ہے؟

فرمایا۔ "جنّات لے جاتے ہیں۔ میں ان کو سخت و سُست کہتا ہوں لیکن اُن کے اوپر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ سر جُھکائے کھڑے رہتے ہیں۔"

## زخم کا نشان

رات کے وقت میں حضور باباصاحبؒ کی کمر دبا رہا تھا۔ پسلیوں کے اوپر جب ہاتھ پڑا تو حضور باباصاحبؒ کو تکلیف محسوس ہوئی۔ کرتا اٹھا کر دیکھا تو تقریباً چار پانچ اِنچ کا زخم تھا۔ میں یہ دیکھ کر بے قرار ہوگیا اور پوچھا کہ یہ کیسا زخم ہے، حضور؟

فرمایا: "میں ایک درہ سے گزر رہا تھا۔ جگہ کم تھی۔ پہاڑ کی نوک سے یہ زخم آگیا۔"

چوں کہ رات کافی گزر چکی تھی۔ تقریباً بارہ بجے کا عمل تھا۔ اس لئے میں کوئی دوا بھی نہ لاسکا۔ جب انہوں نے مجھے پریشان دیکھا تو کہا: "کوئی بات نہیں۔ صبح مرہم پٹی ہوجائے گی۔ آپ نے کاہے کا غم کیا ہے!"

صبح جب میں نے کرتا اٹھا کر دیکھا تو زخم کا نشان تک ان کے جسم پر نہیں تھا۔

## بارش کا قطرہ موتی بن گیا

برکھا رُت تھی۔ سماں بھیگا ہوا تھا۔ بجلی چمک رہی تھی۔ آسمان ابر آلود تھا۔ بارش برس رہی تھی۔ باہر یہ خوبصورت منظر تھا اور کمرے میں تخلیقی فارمولوں پر گفتگو ہو رہی تھی۔ دورانِ گفتگو سچے موتیوں کا تذکرہ آگیا۔ اس غلام کو حضور بابا صاحبؒ کے مزاج میں بہت دخل تھا۔ میں نے عرض کیا: "حضور! بارش کا ایک قطرہ جب سیپ کے پیٹ میں نشو و نما پاتا ہے تو موتی بن جاتا ہے۔"

یہ عرض کرنے کے بعد میں باہر نکلا اور ایک کٹورے میں بارش کا پانی جمع کر کے لے آیا۔ حضور بابا صاحبؒ نے ڈراپر سے بارش کا پانی اٹھایا اور اس کے اوپر اپنی نگاہ مرکوز کر دی۔ اب ڈراپر میں سے جتنے قطرے گرے وہ سب سچے موتی تھے۔

میں نے اُن موتیوں کو سرمے کے ساتھ پیس لیا۔ جتنے لوگوں نے بھی یہ سُرمہ استعمال کیا، ان کی نظر کو ناقابلِ بیان فائدہ پہنچا۔



## جاپان کی سند

سلسلۂ عظیمیہ کے صاحبِ دل اور صاحبِ مقام بزرگ ڈاکٹر عبدالقادر صاحب جب حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی خدمت میں پہلی بار حاضر ہوئے تو ان کے پیشِ نظر دو باتیں تھیں۔ ایک یہ کہ جاپان جا کر ٹریننگ حاصل کریں اور وُولن اسپننگ ماسٹر (WOOLLEN SPINNING MASTER) کا ڈپلوما حاصل کریں۔ چنانچہ حضور بابا صاحبؒ کی خدمت میں درخواست پیش کی گئی۔ حضور بابا جیؒ نے فرمایا "آپ کو ٹریننگ کے لئے باہر جانے کی کیا ضرورت ہے! بس آپ اسپننگ ماسٹر ہیں۔"

حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے فرمانے کے بعد حالات کچھ اس طرح سے پیش آئے کہ ولیکا مل میں جو جاپانی اسپننگ ماسٹر کام کرتا تھا وہ ملازمت چھوڑ کر چلا گیا اور ہمارے یہ بزرگ اسپننگ ماسٹر کے عہدے پر کام کرنے لگے اور عرصۂ دراز تک کام کرتے رہے۔

## اٹھارہ سال کے بعد

ڈاکٹر صاحب کا دوسرا مسئلہ شادی تھا۔ جس لڑکی سے ڈاکٹر صاحب شادی کرنا چاہتے تھے وہ ہندوستان میں تھی۔ تقسیم کے بعد یہ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کہاں ہے۔ اٹھارہ سال کے طویل انتظار کے بعد ان صاحب کا خط موصول ہوا۔ خط لے کر یہ بزرگ عثمان آباد، لارنس روڈ والے گھر میں حضور بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور بابا صاحبؒ نے خط پڑھا اور پڑھنے کے بعد صرف اتنا فرمایا کہ آپ فلاں دن لاہور چلے جائیں۔ وہاں شادی کریں۔ اسلام آباد اور مری میں ہنی مون منا کر واپس آجائیں۔

لاہور کی روداد بھی عجیب روداد ہے۔ جب یہ بزرگ لاہور میں بتائے ہوئے مقام پر پہنچے تو پہلی ملاقات لڑکی کے والد سے ہوئی۔ یہ وہی صاحب تھے جن کی وجہ سے شادی نہیں ہو سکی تھی۔ نہایت اخلاق سے پیش آئے اور گھر میں اندر لے گئے۔ لڑکی سے گفتگو ہوئی تو پتہ چلا کہ وہ اب ان صاحب سے شادی نہیں کرے گی کیوں کہ اب وہ ٹی بی اور سل جیسے مرض میں مبتلا ہو چکی ہے۔ لیکن سچی محبت کبھی کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لاتی۔ ہمارے محترم بزرگ نے شادی کر لی۔ شادی کے بعد دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے نہایت خوش حال زندگی گزارتے رہے۔ ابھی اٹھارہواں مہینہ ختم نہیں ہوا تھا کہ بیوی اچانک داغِ مفارقت دے گئی۔ یہ بھی قدرت کا عجیب راز ہے کہ اٹھارہ سال کی مدت کے انتظار کی تشنگی اٹھارہ مہینوں میں ابھی پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ پھر جدائی کی دیوار بیچ میں آ گئی۔ اس المیہ کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ ڈاکٹر صاحب تقریباً دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو گئے۔ اور عشقِ مجازی میں جو ذہنی یکسوئی حاصل ہوئی تھی وہ سب حضور بابا صاحبؒ کی طرف منتقل ہو گئی کہ حضور بابا جیؒ اور ڈاکٹر صاحب میں دوئی نہیں رہی۔ جس زمانے میں یہ المناک واقعہ پیش آیا، ڈاکٹر صاحب کی آسائش و آرام کی زندگی پر بڑے بڑے لوگ رشک کرتے تھے اور جب حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی زلف کے اسیر ہوئے تو تمام دنیوی آسائش کے سامان خود سے الگ کر دیئے۔ جس وقت اس عالی مقام بزرگ نے اپنا دنیاوی چولا بدلا، اس وقت ان کے پاس تقریباً ڈیڑھ سو ٹائیاں تھیں اور اسی مناسبت سے سوٹ۔ مغرب کی دلدادہ ہستی نے اب جو روپ اختیار کیا وہ یہ ہے — ایک کرتا، ایک لنگی۔ اللہ بس، باقی



ہوس۔ حضور قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی نظرِ کرم کا فیض ان کے اوپر اتنا محیط ہوا اور اس بزرگ ہستی نے اتنا ریاض کیا کہ اب وہ سلسلۂ عظیمیہ میں ایک عظیم مقام پر فائز ہیں۔

## خون ہی خون

ایک رات دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو دیکھا کہ دو صاحبان کھڑے ہیں اور حضور قلندر بابا اولیاءؒ سے ملاقات کے خواہش مند ہیں۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ اس وقت حضور بابا صاحبؒ سے ملاقات ممکن نہیں ہے۔ رات زیادہ ہو گئی ہے۔ میرے یہ کہنے پر ایک صاحب نے اپنا منہ کھول دیا۔ میں یہ دیکھ کر گھبرا گیا کہ ان کا منہ خون سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے زمین پر خون تھوک دیا۔ حالت کیوں کہ غیر معمولی تھی اس لئے میں نے ان صاحب کو بابا جیؒ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ بابا صاحبؒ کی خدمت میں پیش ہونے کے بعد وہی صورت پیش آئی کہ ان صاحب نے اپنا منہ کھول کر دکھایا تو اتنی دیر میں منہ پھر خون سے بھرا ہوا تھا۔ بابا صاحبؒ کے پوچھنے پر ان کے ساتھی نے بتایا کہ ایک ہفتے سے یہ بیماری لاحق ہو گئی ہے کہ منہ میں خون آ جاتا ہے اور یہ پانی کی طرح خون کی کلیاں کرتے ہیں۔ ڈاکٹر خون کی بوتل چڑھاتے رہتے ہیں اور منہ سے خون خارج ہوتا رہتا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی خون کی بوند (DROP) ختم ہوئی تھی کہ میں انہیں وہاں سے اٹھا لایا۔ حضور بابا صاحبؒ نے آدھ منٹ کے لئے غور کیا اور جو علاج تجویز فرمایا وہ یہ ہے:

پرانے سے پرانا ٹاٹ لے کر اس کو جلا دیا جائے۔ جب ٹاٹ اچھی طرح آگ پکڑ لے تو اس کے اوپر توا الٹا دیا جائے۔ تھوڑی دیر میں ٹاٹ راکھ بن جائے گا۔

اس جلے ہوئے ٹاٹ کو کھرل میں پیس کر شہد میں ملایا جائے اور صبح، شام، رات تین وقت یہ شہد مریض کو چٹایا جائے۔"

وہ دونوں صاحبان شکریہ ادا کر کے چلے گئے۔ میں کئی دن تک یہ سوچتا رہا کہ اس مریض کا کیا بنا اور اس بات پر بار بار افسوس کرتا رہا کہ اگر میں پتہ پوچھ لیتا تو خیریت معلوم ہو جاتی۔

چوتھے روز وہ دونوں صاحبان پھر تشریف لائے۔ اب ان کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ اور حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گلے میں ڈالنے کے لئے گلاب کا ہار تھا۔

## خواجہ غریب نوازؒ اور حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ

جس زمانے میں حضور قلندر بابا اولیاءؒ رسالہ نقاد، کراچی میں کام کرتے تھے، میرا یہ معمول تھا کہ شام کو چھٹی کے وقت حاضر خدمت ہوتا اور حضور بابا صاحب قبلہؒ کو اپنے ساتھ لے کر نقاد کے دفتر سے کچھ دور رتی تالاب پر واقع اپنے جھونپڑے میں لے جاتا۔ وہاں ایک بہت خوبصورت نشست ہوتی تھی۔ غیر تعلیم یافتہ مگر بہت مخلص، تعلیم یافتہ اور سلجھے ہوئے دوست تشریف لاتے تھے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ میں دوپہر کو گھر آیا تو ایک صاحب جن کا نام زبیر احمد انصاری تھا، مجھے ملے۔ انہوں نے بتایا کہ حضور قلندر بابا صاحبؒ قبلہ اور دو اور بزرگ کمرے میں تشریف رکھتے ہیں اور اندر سے کنڈی لگالی ہے۔ دروازے کے پاس میں نے بزرگوں کی سرگوشی سنی لیکن کوئی لفظ میرے کان میں نہیں اترا۔ سوچا کہ بازار سے دودھ لے آؤں اور چائے بنالوں۔



چولھا جلا کر پانی رکھا اور دودھ لینے چلا گیا۔ دودھ لے کر واپس آیا تو تینوں صاحبان تشریف لے جا چکے تھے۔ بہت افسوس ہوا۔ بہر حال، شام کو جب میں حضور بابا صاحبؒ کو لینے کے لئے نقاد کے دفتر پہنچا تو میں نے پوچھا۔ "حضور! دوپہر کے وقت آپ چلے آئے۔ میں چائے پیش کرنا چاہتا تھا اور آپ کے ساتھ وہ بزرگ حضرات کون تھے؟"

فرمایا۔ "بوعلی شاہ قلندرؒ اور خواجہ معین الدین چشتیؒ تشریف لائے تھے۔ کچھ قانون کے اوپر تبادلۂ خیال کرنا تھا۔"

مجھے آج تک اس بات کا ملال ہے کہ میں نے دودھ لینے کے لئے زبیر کو کیوں نہیں بھیج دیا! کاش ایسا ہو جاتا اور اس خاکسار کو حضور خواجہ غریب نوازؒ اور بوعلی شاہ قلندرؒ کی جسمانی زیارت ہو جاتی!

## شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ

ہمارے ایک دوست تھے مظفر صاحب۔ یہ حضور بابا صاحبؒ کی حیات میں ہی بروک بانڈ کمپنی میں سیلز ڈائریکٹر تھے۔ حضور بابا صاحبؒ ہر اتوار کی شام کو ان کے گھر تشریف لے جاتے اور بہت سارے لوگ جمع ہو کر اپنے مسائل پیش کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مظفر صاحب کو جنت الفردوس میں جگہ دیں اور بہت سی نعمتیں عطا کریں۔ حضور بابا صاحبؒ کی انہوں نے بہت خدمت کی ہے۔ ایک روز پروگرام بنا کہ حضرت لعل شہباز قلندرؒ اور شاہ عبداللطیف بھٹائی کے مزارات پر حاضری دی جائے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کے مزار مبارک میں جب سب لوگ اندر تشریف لے گئے اور فاتحہ پڑھی تو حضور بابا صاحبؒ تیزی کے ساتھ مزار سے متصل مسجد میں چلے

گئے۔ مسجد کے ایک گوشے میں بہ نفسِ نفیس و بہ تمام کمال جسمانی طور پر اللہ کے دوست حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ موجود تھے۔ حضور بابا صاحب قبلہؒ نے نہایت ادب و احترام کے ساتھ ان سے مصافحہ کیا اور عرض کیا۔ "شاہ صاحب! میرے ساتھ اور بھی لوگ ہیں، وہ ڈر جائیں گے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی شاہ صاحبؒ بجلی کے کوندے کی طرح نظروں سے اوجھل ہوگئے۔

## میٹھا پانی کڑوا ہوگیا

ایک دفعہ حضور قلندر بابا اولیاءؒ روشنی کی لہروں کے اتار چڑھاؤ، لہروں کے ردّ و بدل اور لہروں کی مقداروں میں کمی بیشی سے قانونِ تخلیق کی وضاحت فرما رہے تھے۔ آپ یہ بتا رہے تھے کہ مقداروں کے ردّ و بدل سے تخلیق میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے اور کائنات میں موجود ہر شئے ان ہی لہروں کے تانے بانے سے بنی ہوئی ہے۔ جب نورانی لہریں نزول کرکے روشنی بنتی ہیں تو مختلف مظاہر وجود میں آجاتے ہیں۔ مادّہ دراصل روشنیوں کا خلط ملط ہے۔ مثال میں جب نمک کا تذکرہ آیا اور نمک کے اندر کام کرنے والی روشنیوں کا عمل دخل زیرِ بحث آیا تو میں نے عرض کیا۔ "حضور! اس کا مطلب یہ ہوا کہ آدمی کے اندر نمک کی لہریں ہر وقت مشترک رہتی ہیں۔ نمک کی لہریں آتی رہتی ہیں، ذخیرہ ہوتی رہتی ہیں اور خرچ ہوتی رہتی ہیں؟"

فرمایا۔ "خواجہ صاحب! نمک جسم کے مسامات سے خارج ہوتا رہتا ہے۔ اور جب مقداروں کے مطابق خرچ نہیں ہوتا تو بلڈ پریشر کا مرض لاحق ہو جاتا ہے اور مقداروں سے زیادہ خرچ ہوتا ہے تو لو (LOW) بلڈ پریشر



لاحق ہوسکتا ہے۔"

مجھے کیا سوجھی کہ میں ایک کٹورے میں پانی بھر لایا۔ اور عرض کیا۔ "یا شیخ! جب مسامات سے نمک خارج ہوتا رہتا ہے تو پانی میں انگلیاں ڈالنے سے پانی نمکین ہو جاتا ہوگا۔"

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے کٹورے میں پانچوں انگلیاں ڈال دیں اور کچھ دیر کے بعد ہاتھ نکال کر فرمایا۔ "چکھو ——— !"

یَا بَدِیْعُ الْعَجَائِبُ! کٹورے کا پانی سمندر کے پانی کی طرح نمکین اور کڑوا تھا۔

## پیٹ میں رسولی کا روحانی علاج

غالباً لندن یا امریکہ سے ایک خاتون تشریف لائیں اور بتایا کہ ڈاکٹروں نے ان کے پیٹ میں رسولی بتائی ہے جس کی وجہ سے وہ اولاد سے محروم ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں اللہ کی رضا پر راضی رہنے والی بندی ہوں لیکن مشکل یہ پیش آگئی ہے کہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے شوہر دوسری شادی کرنے پر بضد ہیں۔ یہ کہہ کر وہ خاتون کچھ ایسی بے قراری سے روئیں کہ ان کی ہچکیاں بندھ گئیں اور روتے روتے انہوں نے اپنا سر حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے سینے پر رکھ دیا۔ حضور بابا صاحبؒ اس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ آنسوؤں سے قمیض بھیگی تو لگا کہ دل بھی بھیگ گیا۔ حضور بابا صاحبؒ تیزی کے ساتھ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ خاتون سے فرمایا "سیدھی لیٹ جاؤ۔" کچھ پڑھا، پڑھ کر انگشتِ شہادت پر پھونک ماری اور انگلی سے رسولی کی جگہ ایک کراس (×) بنا دیا۔ ڈاکٹروں نے ٹیسٹ کیا تو پتہ چلا کہ رسولی ختم ہو چکی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اُس

خاتون کو اولاد سے بھی نوازا۔ یہ واقعہ تقریباً سترہ سال پہلے کا ہے۔

## خرقِ عادت یا کرامت

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خرقِ عادت یا کرامت کا ظہور کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے جب کسی بندہ کا شعوری نظام لاشعوری نظام سے خود اختیاری طور پر مغلوب ہو جاتا ہے تو اس سے ایسی باتیں سرزد ہونے لگتی ہیں جو عام طور سے نہیں ہوتیں۔ اور لوگ انہیں کرامت کے نام سے یاد کرنے لگتے ہیں جو سب بھان متی ہے۔ رُوحانی علوم اور روحانیت بالکل الگ ہے ........ اعمال و حرکات میں خرقِ عادت اور کرامت خود اپنے اختیار سے بھی ظاہر کی جاتی ہے۔ اور کبھی کبھی غیر اختیاری طور پر بھی سرزد ہو جاتی ہے۔ خرقِ عادت آدمی کے اندر ایک ایسا وصف ہے جو مشق کے ذریعے متحرک کیا جا سکتا ہے۔



# ارشادات

مخدُومِ مکرّم قبلہ حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اس مادّی دَور کی تاریکیوں میں روشنی کا مینار اور مضطرب و پریشان دلوں کے لئے سرچشمۂ سکون و قرار تھے۔ وہ وقت زیادہ دُور نہیں جب آپ کی تعلیمات و ہدایت کا بیش بہا خزانہ منظرِ عام پر آجائے گا اور دنیا کے بڑے بڑے دانشور اور حکمت و فلسفہ کے دعی یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جائیں گے کہ انہوں نے چاند ستاروں پر کمند ڈالنے کی سعیِ ناتمام میں وقت اور دولت کا بے دریغ ضیاع کیا مگر فطرت کے رازہائے سربستہ کے ایسے مایۂ افتخار محرم کے فیض سے محروم رہے جو ابھی کچھ عرصہ پہلے تک ان ہی کے درمیان جسدِ خاکی کے رُوپ میں جلوہ فگن تھا اور جس کے دَرِ حکمت و ہدایت سے متلاشیِ حق کو وہ سب کچھ مل سکتا تھا جس کی انہیں تلاش تھی۔ اس صورتِ حال کو مادّی روشنی کے اندھیروں میں بھٹکنے والے انسان کی کم نصیبی کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

غنیمت ہے کہ اس پُرآشوب دَور میں جب کہ مادّی وسائل کی بہتات اور زندگی کا معیار بڑھتا جا رہا ہے، رُوحانی ڈائجسٹ تشنگانِ علومِ رُوحانی کے لئے سیرابی اور طمانیت کا سرچشمہ ہے۔ انشاءاللہ اس مقتدر جریدہ کی وساطت

خاتون کو اولاد سے بھی نوازا۔ یہ واقعہ تقریباً سترہ سال پہلے کا ہے۔

## خرقِ عادت یا کرامت

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

خرقِ عادت یا کرامت کا ظہور کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے جب کسی بندہ کا شعوری نظام لاشعوری نظام سے خود اختیاری طور پر مغلوب ہو جاتا ہے تو اس سے ایسی باتیں سرزد ہونے لگتی ہیں جو عام طور سے نہیں ہوتیں۔ اور لوگ انہیں کرامت کے نام سے یاد کرنے لگتے ہیں جو سب بھان متی ہے۔ رُوحانی علوم اور روحانیت بالکل الگ ہے . . . . . . . . اعمال و حرکات میں خرقِ عادت اور کرامت خود اپنے اختیار سے بھی ظاہر کی جاتی ہے۔ اور کبھی کبھی غیر اختیاری طور پر بھی سرزد ہو جاتی ہے۔ خرقِ عادت آدمی کے اندر ایک ایسا وصف ہے جو مشق کے ذریعے متحرک کیا جا سکتا ہے۔



# ارشادات

مخدوم مکرم قبلہ حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اس مادی دور کی تاریکیوں میں روشنی کا مینار اور مضطرب و پریشان دلوں کے لئے سرچشمۂ سکون و قرار تھے۔ وہ وقت زیادہ دُور نہیں جب آپ کی تعلیمات و ہدایت کا بیش بہا خزانہ منظرِ عام پر آجائے گا اور دنیا کے بڑے بڑے دانشور اور حکمت و فلسفہ کے داعی یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جائیں گے کہ انہوں نے چاند ستاروں پر کمند ڈالنے کی سعیِ ناتمام میں وقت اور دولت کا بے دریغ ضیاع کیا مگر فطرت کے رازہائے سربستہ کے ایسے مایۂ افتخار محرم کے فیض سے محروم رہے جو ابھی کچھ عرصہ پہلے تک ان ہی کے درمیان جسدِ خاکی کے رُوپ میں جلوہ فگن تھا اور جس کے درِ حکمت و ہدایت سے متلاشیِ حق کو وہ سب کچھ مل سکتا تھا جس کی انہیں تلاش تھی۔ اس صورتِ حال کو مادی روشنی کے اندھیروں میں بھٹکنے والے انسان کی کم نصیبی کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

غنیمت ہے کہ اس پر آشوب دَور میں جب کہ مادی وسائل کی بہتات ہی زندگی کا معیار بنتی جا رہی ہے، رُوحانی ڈائجسٹ تشنگانِ علومِ رُوحانی کے لئے سیرابی اور طمانیت کا سرچشمہ ہے۔ انشاء اللہ اس مقتدر جریدہ کی وساطت

سے حضور باباصاحبؒ کی تعلیمات اور ان کی مقدس زندگی کے نادر المعانی تجربات جستہ جستہ منظرِ عام پر آئیں گے اور قدرت کی حکمتِ بالغہ کے رازہائے سربستہ بقدرِ مشیتِ ایزدی آشکارا ہوتے جائیں گے۔

مخدوم مکرّم، مرشدِ معظّم، حاملِ علمِ لدُنّی، وارثِ علومِ انبیاء، مقبولِ بارگاہِ عزّوجل اور منظورِ نظرِ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت قلندر بابا اولیاءؒ کا ایک نہایت سلیس اور سادہ مگر حقائق و رموزِ فطرت سے بھرپور مضمون عامۃُ النّاس کے افادہ کی غرض سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ اپنے مرشد و مخدوم کے ایک نہایت ہی حقیر قدم بوس کی حیثیت سے مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ اس بیش بہا خزانۂ حکمت و ہدایت کو پیش کرنے کا شرف خود میرے ملجا و ماوٰی مُرشدِ مخدوم نے بخشا ہے۔ یہ مضمون عام فہم اور سلاستِ بیان کے باوصف دقتِ نظر اور پرسکون تفکر و تحقیق کا متقاضی ہے۔ مطالعہ و تفکر کے یہ لوازمات اگر صحیح معنوں میں بروئے کار لائے جائیں تو ایک قاری خود محسوس کریگا کہ یہ روزمرہ مشاہدات میں آنے والے واقعات جنہیں ہم کوئی اہمیت نہیں دیتے اپنے دامن میں رموز و حقائق کے کتنے بیش قیمت گوہر سمیٹے ہوئے ہیں۔

۱۔ پانی کی ذاتی ایک حرکت ہے اور ہمہ وقت موجود ہے۔ پانی میں حرکت اور لہر کا خاصہ موجود ہے۔

۲۔ جب کنکر تہ میں پہنچا تو پانی میں لہریں اٹھنا شروع ہو گئیں بشرطیکہ پانی کی وسعت اتنی ہو کہ وہ باطن کا مظاہرہ کر سکے

۳۔ کنکر کے تصادم سے پانی اپنا باطن یعنی حرکت نمایاں کرتا ہے۔



۴۔ جو چیز واقع ہوتی ہے وہ مظاہرِ قدرت کے باطن میں موجود ہے، اسی لئے واقع ہوتی ہے۔ البتّہ اس کے واقع ہونے کا ایک محل ہے۔

۵۔ کنکر ارادہ کی جگہ ہے یا ارادہ کا مقام رکھتا ہے۔ اور کنکر کا پانی سے تصادُم "توجہ" کا قائم مقام ہے۔ دراصل کنکر ہی ارادہ کا تمثل ہے اور پانی میں حرکت پیدا ہونا توجہ کا تمثل ہے۔ یعنی جب ارادہ میں تکرار واقع ہوئی تو توجہ کا عمل شروع ہو گیا۔ ارادہ کی تکرار کو توجہ کہتے ہیں۔ اکثر ارادہ لاشعوری طور پر تکرار کرتا ہے اور وہ توجہ بالکل لاشعوری ہوتی ہے۔ لیکن اس کا نتیجہ لازم ہے۔ نتائج کی دونوں صورتوں میں اہمیت ہے۔ یکساں طور پر دونوں اثرانداز ہوتے ہیں۔ یعنی مظاہر کی دنیا میں دونوں کی حیثیت ایک ہے۔ دونوں کا اثر ایک ہے۔ خواب کی بھی یہی حالت ہے۔ اور کیفیت بھی یہی معنی رکھتی ہے۔

۶۔ کنکر ہی جو لاشعوری ہے وہ کائناتی ذہن کا ارادہ ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا "امر" ہے۔ "امر" یعنی کائناتی ذہن میں برابر تکرار ہوتی رہتی ہے۔ یہ کبھی بغیر تکرار کے نہیں ہوتا۔ یہ کنکر یعنی "امر" کی تکرار ہی "کتاب المبین" ہے۔ "کتاب المبین" ہی کی تکرار سے مظاہرِ قدرت یا کائنات رونما ہوئی۔ تکرار "کتاب المبین" ہی میں واقع ہوتی ہے لیکن تکرار کے نتائج "کتابُ المرقوم" کہلاتے ہیں۔ دراصل کائنات "کتاب المرقوم" ہے۔ تکرار کبھی ذہن کی اوپری سطح پر واقع نہیں ہوتی بلکہ ذہن کی گہرائی میں واقع ہوتی ہے۔ جب کنکر پانی کی گہرائی میں پہنچتا ہے تو لہریں اٹھنے لگتی ہیں۔ گویا پانی کا باطن مظاہر کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یہ مظاہر پانی کے باطن میں موجود ہیں۔ لیکن تکرار واقع نہیں ہوئی تھی۔ وہ باطن جس میں تکرار واقع نہیں

ہوئی، صرف مفرد حرکت ہے۔ اسی ہی کو "غیب" کہتے ہیں۔ اگر اس میں تکرار واقع ہو جائے تو مظاہر قدرت بن جائے گی۔ صوفی کی توجہ اسی میں تکرار پیدا کرتی ہے۔ اور جب صوفی توجہ کرتا ہے تو اس کی توجہ اس مطلوب کی شکل وصورت اختیار کر لیتی ہے جو صوفی کے ذہن میں ہے۔ پہلے سے جو شکل وصورت وہاں موجود تھی وہ سادہ، مفرد، بے رنگ شکل وصورت تھی۔ یہ شکل وصورت وہی ہے جو کائناتی ذہن کی ہے لیکن جب صوفی کی توجہ اس میں داخل ہو گئی تو وہ شکل وصورت بھی داخل ہو گئی جو صوفی کا مطلوب ہے۔ اگر عارف کی توجہ شامل نہیں ہوتی تو پانی کے اندر جو خواص موجود ہیں ان کا عمل ہوتا رہتا۔ اس سے کسی بھی مخلوق کا کوئی واسطہ یا تعلق ہوتا مگر خواص کی شکل وصورت اسی شخص سے بے نیاز ہوتی جس سے اس کا تعلق ہوتا۔ پانی کے خواص ایک شخص کو ڈوبنے کے اور دوسرے کو تیرنے کے اسباب پیدا کر دیتے ہیں۔

۷۔ ارادہ کی تکرار ارادہ کی قوت ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ارادہ سوا لاکھ بار ہی دہرایا جائے لیکن ارادہ میں اتنی قوت ہونی چاہیئے جو سوا لاکھ بار دہرانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر وہ قوت موجود ہے تو ایک حرکت کافی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے، اور زیادہ تر اس زمانے میں ۹۹۹ فی ہزار ایسا ہی ہوتا ہے کہ سوا لاکھ دہرایا ہوا ارادہ بھی ایک بار کی قوت سے آگے نہیں بڑھتا۔ دراصل ارادہ دہرایا ہی نہیں جاتا کیوں کہ جن الفاظ کے ذریعے ارادے کو دہرانے کی کوشش کی جاتی ہے وہ الفاظ دہرانے والے انسان کے ذہن میں اپنی کوئی تصویر یعنی معنی کے خدوخال پیدا نہیں کرتے۔

۸۔ ارادہ دراصل کوئی شکل وصورت رکھتا ہے۔ جس مطلب کا ارادہ ہو، مطلب اپنی پوری شکل وصورت کے ساتھ ارادہ میں مرکوز ہونا ضروری ہے بغیر



شکل وصورت کے کسی ارادہ کو ارادہ نہیں کہتے۔

# انسان کا شعوری تجربہ

اولیائے کرامؒ اور عارف باللہ کشف اور الہام سے وابستہ ہوتے ہیں۔ مراقبے کے ذریعے کشف اور الہام کی طرزیں اُن کے ذہنوں میں اتنی مستحکم ہو جاتی ہیں کہ وہ مظاہر کے پسِ پردہ کام کرنے والے حقائق سمجھنے لگتے ہیں اور ان کا ذہن مشیّتِ الٰہیہ کے اسرار و رموز کو براہِ راست دیکھتا اور سمجھتا ہے اور پھر وہ قدرت کے رازدار بن جاتے ہیں۔ ان روحانی مدارج کے دوران ایک مرحلہ ایسا آتا ہے کہ ان حضرات کا ذہن، ان کی زندگی اور زندگی کا ایک ایک عمل مشیّت اور رضائے الٰہیہ کے تابع ہو جاتا ہے۔

ایسے بزرگوں کی گفتگو اسرار و رموز اور علم وعرفان سے پُر ہوتی ہے اور اُن کی زبان سے نکلا ہوا کوئی لفظ معرفت وحکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ ان کے ملفوظات اور واردات روحانیت کے راستے پر چلنے والے سالکین کے لئے مشعلِ راہ ہوتے ہیں۔ ان کی گفتگو اور ان کے الفاظ پر ذہنی مرکزیت کے ساتھ تفکر کیا جائے تو کائنات کی ایسی مخفی حقیقتیں منکشف ہوتی ہیں جن کا انکشاف اور مشاہدہ انسان کو اُس امانت سے روشناس کر دیتا ہے جس کو سماوات، ارض، جبال نے یہ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ ہم اس امانت کے متحمل نہیں ہو سکتے اس لئے کہ اس کے بارے ہم ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

مرشدِ مکرم، منبعِ رشد و ہدایت، شیخِ طریقت، عالمِ علمِ لدنی، ابدالِ حق حسن اخریٰ سید محمد عظیم برخیا المعروف حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی علم و عرفان کا ایسا سمندر ہے جس کے کنارے سلاسلِ نبوت سے جا ملتے ہیں۔ آپ کی ہستی ایک ایسا ہیرا ہے جس کی تراش و خراش خاتم النبیین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیض و کرم سے عمل میں آئی ہے۔ آپ کی شخصیت ایک ایسا آفتاب ہے جس کی ضیا پاشی نورِ الٰہی اور نورِ نبوت کے فیضان سے قائم و دائم ہے۔

جن لوگوں نے حضور بابا صاحب کو دیکھا ہے اور رموز و حکمت سے لبریز ان کے ارشادات سنے ہیں، ان پر یہ حقیقت روشن ہے کہ حضور بابا صاحبؒ قدرت کے معاملے میں کتنا دخل رکھتے تھے۔ اکثر اوقات گفتگو کے دوران وہ ایسے بنیادی نکات بیان کر جاتے تھے جو براہِ راست قوانینِ قدرت کی گہرائیوں سے متعلق ہیں اور جنہیں سنکر سننے والے کے ذہن میں کائنات میں جاری و ساری اصول و قوانین کا نقشہ ابھر آتا تھا۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ جب کسی موضوع پر تبصرہ فرمایا کرتے تو ایسا معلوم ہوتا جیسے ان کا ذہن ایک دریائے ناپیدا کنار اور ذخیرۂ انوار ہے اور یہ انوار الفاظ کے سانچے میں ڈھل کر حضور بابا صاحبؒ کی زبان سے ادا ہو رہے ہیں۔ حاضرینِ مجلس اکثر ان کی گفتگو سے مبہوت ہو جاتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ نظامِ کائنات سے متعلق قدرت کے قواعد و ضوابط اور اُن پر عمل درآمد کے قانون کو عام فہم زبان میں اس طرح بیان کرنا حضور بابا صاحبؒ جیسے عالمِ لدنی ہی کا وصف ہو سکتا ہے۔



حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات اور ملفوظات پیش کرنے کا مقصد اور منشا یہ ہے کہ حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے ذہن، ان کی طرزِ فکر اور ان کی تعلیمات سے عوام متعارف ہو جائیں اور ان کے سامنے یہ بات آجائے کہ اولیاء اللہ کی طرزِ فکر کیا ہوتی ہے، وہ کس طرح سوچتے ہیں اور ان کے روز و شب کس طرح گزرتے ہیں۔

## زمان ماضی ہے

ایک نشست میں حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے زمانیت اور مکانیت کی حقیقی طرزوں پر روحانی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا: "ہر تخلیق دو رخوں کی شکل و صورت میں وجود رکھتی ہے۔ چنانچہ زندگی کے بھی دو رخ ہیں۔ ایک وسیع تر رُخ (لاشعور) اور دوسرا محدود تر رُخ (شعور)۔

زندگی کا وسیع تر پہلو (لاشعور) زمان ہے جس کی حدود ازل تا ابد ہیں اور محدود تر پہلو (شعور) مکان ہے جو دراصل زمان (لاشعور) کا تقسیم شدہ جزو ہے۔ سوال یہ ہے کہ زمان فی الحقیقت ہے کیا؟ اور زمان کی تقسیم یعنی مکانیت کیا ہے اور کس طرح وجود میں آتی ہے؟"

فرمایا:

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ زمانہ گزرتا رہتا ہے حالاں کہ فی الحقیقت زمان ریکارڈ (ماضی) ہے۔ حال اور مستقبل علیحدہ کوئی وجود نہیں رکھتے بلکہ ماضی کے اجزاء ہیں۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے ——

"جو کچھ ہونے والا ہے، قلم اس کو لکھ کر خشک ہو گیا۔"

یہاں تک گفتگو کے بعد حضور بابا صاحبؒ نے اس حدیث کی تشریح بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ایک کتاب ہے جو لکھی جا چکی ہے یعنی ماضی (ریکارڈ) ہے۔ اب اس کتاب کو پڑھنے کی طرزیں مختلف ہیں۔ اگر کتاب شروع سے ترتیب و تسلسل سے پڑھی جائے یعنی ایک نقطہ، پھر دوسرا نقطہ، ایک سطر، پھر دوسری سطر، ایک صفحہ، پھر دوسرا صفحہ، پھر تیسرا صفحہ۔ علیٰ ہٰذا القیاس اس طرح پوری کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔ مطالعے کی یہ طرز وہ ہے جو بیداری (شعور) میں کام کرتی ہے۔ انسان کا شعوری تجربہ یہ ہے کہ ایک دن گزرتا ہے، پھر دوسرا۔ ایک ہفتہ گزرتا ہے، پھر دوسرا۔ اسی طرح ماہ و سال اور صدیاں اسی ترتیب اور اسی طرز سے یعنی ایک کے بعد ایک کرکے گزرتی رہتی ہیں۔ منگل کے بعد جمعرات کا دن اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک کہ بدھ کا دن نہیں گزر جاتا۔ اسی طرح شوال کا مہینہ اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک کہ رمضان اور اس سے پہلے کے مہینے نہیں گزر جاتے۔ یہی طرز انسان کی شعوری طرز (بیداری) ہے۔ اس طرز کو روحانیت میں زمانِ متواتر یا زمانِ مسلسل ( SERIAL TIME ) کہتے ہیں۔

## ماضی اور مستقبل

اس کے بعد خواب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:
مطالعہ کی دوسری طرز وہ ہے جو خواب میں کام کرتی ہے۔ ایک شخص خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ ابھی لندن میں ہے اور ایک لمحے بعد دیکھتا ہے کہ وہ کراچی میں ہے۔ یہ بات ذہن کی اس واردات سے متعلق ہے جس کا نام غیر متواتر یا زمانِ لاشعور ہے ( NON-SERIAL TIME )۔ غیر متواتر زمان (لاشعور) دراصل کتاب کے مطالعہ کرنے کی وہ طرز ہے جس میں زمانِ متواتر کی ترتیب حذف ہو جاتی ہے۔ خواب میں انسان کے ذہن کی رفتار اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ لاشعور میں داخل ہو جاتا ہے اور جو کچھ خواب میں نظر آتا ہے وہ زیادہ تر مستقبل میں پیش آنے والے واقعات سے متعلق ہوتا ہے۔

بعض اوقات خوابوں کے ذریعے انسان کو ان حادثات سے محفوظ رہنے کے لئے اشارات ملتے ہیں جو مستقبل میں پیش آنے والے ہوتے ہیں اور ان احتیاطی تدابیر کو اختیار کرکے ان حادثات سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔ بعض اوقات غیر ارادی طور پر بیداری میں انسان کی چھٹی حس اسے آنے والے حادثات سے خبردار کر دیتی ہے۔ اس قسم کے بہت سے واقعات لوگوں کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ ان سب کی توجیہ ایک ہی ہے کہ ذہن ایک لمحے کے لئے زمانِ متواتر (شعور) سے نکل کر غیر متواتر زمان (لاشعور) کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے اور آنے والے واقعہ کو محسوس کر لیتا ہے۔ لیکن یہ چیز غیر ارادی طور پر وقوع پذیر ہوتی ہے۔ اگر اس واردات پر مراقبہ کے ذریعے غلبہ حاصل کرکے ارادے کے ساتھ وابستہ کر لیا جائے تو بیداری کی حالت میں بھی آئندہ پیش آنے والے واقعات کا مطالعہ اور مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ (متواتر زمان کی حدود میں) جو کل ہوگا وہ (غیر متواتر زمانے کی حدود میں) آج بھی موجود ہے اور کل (ماضی میں) بھی موجود تھا۔ یہاں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زمانہ صرف ماضی (ریکارڈ) ہے۔ حال اور مستقبل صرف کتاب کے مطالعے کی طرزوں میں اختلاف سے وجود میں آئے ہیں۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص سینما میں فلم دیکھ رہا ہے۔ فلم کے مناظر

ایک ترتیب کے ساتھ اس کی نظروں کے سامنے آرہے ہیں۔ جو منظر اس کی آنکھوں کے سامنے ہے اُسے وہ حال ( PRESENT ) سے اور گزرے ہوئے مناظر کو ماضی ( PAST ) سے اور آنے والے مناظر کو مستقبل ( FUTURE ) سے تعبیر کرتا ہے حالاں کہ ساری فلم ماضی ہے۔ لیکن چوں کہ ماضی اور مستقبل شعوری طور پر انسان کے سامنے نہیں ہوتے اس لئے وہ سمجھتا ہے کہ زمانہ گزرتا جا رہا ہے مطلب یہ ہے کہ سارا زمانہ ماضی ( فلم ) ہے۔ فرق صرف زمانہ کا مطالعہ کرنے کی طرزوں میں ہے۔ پہلی طرز اپنے اندر ایک ترتیب رکھتی ہے۔ یہ طرز زمانِ متواتر ہے۔ دوسری طرز میں لمحات یکے بعد دیگرے واقع نہیں ہوتے بلکہ یکایک۔ ذہن ایک لمحے سے جست کر کے کئی لمحے بعد کے زمانے میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ طرز زمانِ غیر متواتر ہے میں (حضور بابا جیؒ ) کہہ چکا ہوں کہ ازل سے اَبد تک کا تمام زمانہ ماضی (ریکارڈ) ہے اور جو لمحہ اس سارے زمانے کا احاطہ کرتا ہے اس کو اہلِ روحانیت لمحۂ حقیقی یا زمانِ حقیقی (REAL TIME) کہتے ہیں۔ اسی زمانہ کا تذکرہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی حدیث مبارکہ میں ان الفاظ کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے کہ جو کچھ ہونے والا ہے، قلم اس کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔ یعنی لازمانیت (لمحۂ حقیقی) کی حدود میں ہر چیز مکمل طور پر ہو چکی ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے وہ ماضی کا ایک حصہ ہے۔

# حواس کیا ہیں ؟

حضور قلندر بابا اولیاءؒ کو اللہ تعالےٰ نے رنگا رنگ صفات اور کشف و الہامات کا مرکز بنایا ہے۔ تجلیات کے سمندر میں سے نور میں ڈھلے ہوئے موتیوں



سے آپ بھی فیض یاب ہوں :-

حضور بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

بعض چیزیں ایسی ہیں جن کو انسان غیر حقیقی کہہ کر سمجھنے کی کوشش کرتا اور واہمہ یا خواب و خیال کہہ کر نظر انداز کر دیتا ہے حالاں کہ کائنات میں کوئی شئے نا مکمل اور غیر حقیقی نہیں ہے۔ ہر خیال اور ہر واہمہ کے پس پردہ کوئی نہ کوئی کائناتی حقیقت ضرور کارفرما ہوتی ہے۔

وہم کیا ہے ؟ خیال کہاں سے آتا ہے ؟ یہ بات غور طلب ہے۔ اگر ان سوالات کو نظر انداز کر دیں تو کثیر حقائق مخفی رہ جائیں گے۔ اور حقائق کی زنجیر جس کی سو فی صد کڑیاں اس مسئلے کے سمجھنے پر منحصر ہیں، انجانی رہ جائیں گی۔ جب ذہن میں کوئی خیال آتا ہے تو اس کا کوئی کائناتی سبب ضرور موجود ہوتا ہے خیال کا آنا اس بات کی دلیل ہے کہ ذہن کے پردوں میں حرکت ہوئی ہے۔ یہ حرکت ذہن کی ذاتی حرکت نہیں ہوتی ۔ اس کا تعلق کائنات کے اُن تاروں سے ہے جو کائنات کے نظام کو ایک خاص ترتیب میں حرکت دیتے ہیں۔ مثلاً جب ہوا کا کوئی تیز جھونکا آتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ کرۂ ہوائی میں کہیں کوئی تغیر واقع ہوا ہے۔ اسی طرح جب انسان کے ذہن میں کوئی چیز وارد ہوتی ہے تو اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ انسان کے لاشعور میں کوئی حرکت واقع ہوئی ہے۔ اس کا سمجھنا خود انسانی ذہن کی تلاش پر ہے۔ ذہنِ انسانی کی دو سطح ہیں۔ ایک سطح وہ ہے جو فرد کی ذہنی حرکت کو کائناتی حرکت سے ملاتی ہے۔ یعنی یہ حرکت فرد کے ارادوں اور محسوسات کو کائنات کے ہمہ گیر ارادوں اور محسوسات تک لاتی ہے۔ ذہن

کی دونوں سطحیں دُو قسم کے حواس کی تخلیق کرتی ہیں۔ ایک سطح کی تخلیق کو مثبت حواس کہیں تو دوسری سطح کی تخلیق کو منفی حواس کہہ سکتے ہیں۔ دراصل مثبت حواس ایک معنی میں حواس کی تقسیم ہے۔ یہ تقسیم بیداری کی حالت میں واقع ہوتی ہے۔ (اسی قسم کو زمانِ متواتر کہتے ہیں)۔ اس تقسیم کے حصّے اعضائے جسمانی ہیں۔ چنانچہ ہماری جسمانی فعلیت میں یہی تقسیم کام کرتی ہے۔ ایک ہی وقت میں آنکھ کسی ایک شئے کو دیکھتی ہے اور کان کسی آواز کو سنتے ہیں۔ ہاتھ کسی تیسری شئے کے ساتھ مصروف ہوتے ہیں۔ اور پیر کسی چوتھی چیز کی پیمائش کرتے ہیں۔ زبان کسی پانچویں چیز کے ذائقے میں اور ناک کسی چھٹی چیز کے سونگھنے میں مشغول ہوتی ہے اور دماغ میں ان چیزوں سے الگ کتنی ہی اور چیزوں کے خیالات آرہے ہوتے ہیں۔ یہ مثبت حواس کی کارفرمائی ہے لیکن اس کے برعکس منفی حواس میں جو تحریکات ہوتی ہیں اُن کا تعلق انسان کے ارادے سے نہیں ہوتا۔ مثلاً خواب میں باوجود اس کے کہ مذکورہ بالا تمام حواس کام کرتے ہیں، اعضائے جسمانی ساکت رہتے ہیں۔ اعضائے جسمانی کے سکوت سے اس حقیقت کا سراغ مل جاتا ہے کہ حواس کا اجتماع ایک ہی نقطۂ ذہنی میں ہے۔ خواب کی حالت میں اس نقطہ کے اندر جو حرکت واقع ہوتی ہے، وہی حرکت بیداری میں جسمانی اعضاء کے اندر تقسیم ہوجاتی ہے۔ تقسیم ہونے سے پیشتر ہم ان حواس کو منفی حواس کہہ سکتے ہیں۔ لیکن جسمانی اعضاء میں تقسیم ہونے کے بعد ان کو مثبت کہنا درست ہوگا۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ منفی اور مثبت دونوں حواس ایک ہی سطح میں متمکن نہیں رہ سکتے۔ ان کا قیام ذہن کی دونوں سطحوں میں تسلیم کرنا ہوگا۔ تصوف کی اصطلاح میں منفی سطح کا نام نسمۂ مفرد اور مثبت سطح کا



نام نسمۂ مرکّب لیا جاتا ہے۔

حضور باباصاحبؒ نے فرمایا:

نسمۂ مرکّب ایسی حرکت کا نام ہے جو تواتر کے ساتھ واقع ہوتی ہے یعنی ایک لمحہ، دوسرا لمحہ، تیسرا لمحہ اور اس طرح لمحہ بعد لمحہ حرکت ہوتی رہتی ہے۔ اس حرکت کی مکانیت لمحات ہیں جس میں ایک ایسی ترتیب پائی جاتی ہے جو مکانیت کی تعمیر کرتی ہے۔ ہر لمحہ ایک مکان ہے، گویا تمام مکانیت لمحات کی قید میں ہے۔ لمحات کچھ ایسی بندش کرتے ہیں جس کے اندر مکانیت خود کو محبوس پاتی ہے اور لمحات کے دَور میں گردش کرنے پر اور کائناتی شعور میں خود کو حاضر رکھنے پر مجبور ہے۔ اصل لمحات اللہ تعالیٰ کے علم میں حاضر ہیں اور جس علم کا یہ عنوان ہے' کائنات اسی علم کی تفصیل اور مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے ہر چیز کو دو رُخوں پر پیدا کیا ہے۔ چنانچہ تخلیق کے یہی دو رُخ ہیں۔ تخلیق کا ایک رُخ خود لمحات ہیں۔ یعنی لمحات کا باطن یا شعور یک رنگ ہے اور دوسرا رُخ لمحات کا ظاہر یا شعور کل رنگ ہے۔ ایک طرف لمحات کی گرفت میں کائنات ہے اور دوسری طرف لمحات کی گرفت میں کائنات کے افراد ہیں لمحات بیک وقت دو سطحوں میں حرکت کرتے ہیں۔ ایک سطح کی حرکت کائنات کی ہر شئے میں الگ الگ واقع ہوتی ہے۔

یہ حرکت اس شعور کی تعمیر کرتی ہے جو شئے کو اس کی منفرد ہستی کے دائرے میں موجود رکھتا ہے۔ دوسری سطح کی حرکت کائنات کی تمام اشیاء میں بیک وقت جاری وساری ہے۔ یہ حرکت اس شعور کی تعمیر کرتی ہے جو کائنات کی تمام اشیاء کو

ایک دائرے میں حاضر رکھتا ہے۔ لمحات کی ایک سطح میں کائناتی افراد الگ الگ موجود ہیں۔ یعنی افراد کا شعور جُدا جُدا ہے۔ لمحات کی دوسری سطح میں کائنات کے تمام افراد کا شعور ایک ہی نقطہ پر مرکوز ہے۔ اس طرح لمحات کی دو سطحیں یا دو شعور ہیں۔ ایک سطح انفرادی شعور ہے اور دوسری سطح اجتماعی شعور ہے عام اصطلاح میں مرکزی شعور ہی کو لاشعور کہا جاتا ہے۔

# اپنا عرفان

عرفانِ نفس، معرفتِ الٰہیہ کا دروازہ انسان پر کھول دیتا ہے اور عرفانِ نفس کے حصول کے سلسلے میں اہلِ روحانیت کو جن مدارج سے گزرنا پڑتا ہے ان میں سب سے پہلا درجہ "لا" ہے۔ یعنی سب سے پہلے انسان کو اپنی روایتی معلومات اور شعوری علم کی نفی کرنی پڑتی ہے۔ اور پھر اس کے بعد رُوحانیت کے اسی راستے پر چلتے ہوئے انسان ایسے درجے پر پہنچ جاتا ہے جہاں اس پر اپنی حقیقت آشکار ہو جاتی ہے۔ یعنی نفس کا عرفان حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے سالک کو ایک معینہ اور مقررہ راستے پر سفر کرنے کے لئے شیخ یا مرشد کی رہنمائی لازمی ہے ذیل میں اسی مضمون سے متعلق شیخِ طریقت، مخزنِ علم دانا گاہی حضور قلندر بابا اولیاءؒ کا ارشاد رقم کیا جا رہا ہے۔

صحیح بات سمجھنے کے لئے جو کچھ ہمارے ذہن میں پہلے سے موجود ہے اُس کو آئندہ کے لئے بالکل بھلا دیا جائے۔ بات یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ انسان کیا ہے؟ انسان صرف خیالات کی لہریں ایک ترتیب میں جمع ہو جانے کا نام ہے۔ اس



کے علاوہ کچھ نہیں۔ ایک دریا بہہ رہا ہے۔ اس کا پانی جب تک دونوں کناروں کے بیچ میں بہتا رہتا ہے، اس وقت تک انسانی احساس کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ پانی کی لہروں میں کیا کیا چیزیں بہتی چلی جا رہی ہیں۔ ایک حالت میں دریا کے اندر طوفان آجاتا ہے پانی کناروں سے باہر اچھلنے لگتا ہے۔ اب انسانی احساس کو یہ اطلاع ملتی ہے کہ کچھ خیالات پراگندہ قسم کے ابتر، بے ترتیب اور تقریباً بے معنی ادھر سے یورش کرتے چلے آرہے ہیں۔ انسان ان تمام خیالات کے معنی سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ گزرتا رہتا ہے۔ گزرنے کی وجہ خاص طور سے یہ ہوتی ہے کہ وہ ان خیالات میں ترتیب قائم نہیں کر سکتا۔

خیالات کی دوسری قسم ایک اور بھی ہے۔ وہ قسم یہ ہے کہ انسانی احساس دریا کے پانی میں بہتی ہوئی چند چیزیں اٹھاتا رہتا ہے۔ اور ان کو ایک خاص پیرائے میں مرتب کر لیتا ہے۔ اس ترتیب سے جو مفہوم نکلتا ہے اس کو وہ اپنی تصنیف قرار دے دیتا ہے۔ یہی وہ کام ہے جس کو دنیا کے ذہین اور ذی ہوش انسان کسی خاص علم یا اختراع کا نام دیتے ہیں۔

خیالات کی اور قسموں سے یہاں بحث کرنا مقصود نہیں ہے۔ اس لئے ان کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ انسان کے اندر دو قسم کے خیالات کام کر رہے ہیں۔

۱۔ وہ خیالات جو دریا کے طوفانی ہونے سے کناروں سے باہر اچھل جاتے ہیں۔

۲۔ وہ خیالات جن کو انسانی شعور اپنی مطلب برآری کے لئے انتخاب کرتا ہے۔

دریا کا ماخذ کیا ہے؟ دریا میں طوفان کیوں آتا ہے؟ انسانی شعور بہتی ہوئی چیزوں میں سے کچھ نہ کچھ چیزیں جو اس کے ہاتھ آتی رہتی ہیں کیوں اٹھاتا رہتا ہے؟ انسانی سائنس کے علوم اب تک اس بات سے واقف نہیں ہو سکے ہیں حالاں کہ وہ کئی صدیوں سے نفسیات کے میدان میں اس قسم کی تلاش کر رہے ہیں۔ جو سوالات اوپر کئے گئے ہیں ان کے جوابات آسمانی صحائف میں تلاش کئے جا سکتے ہیں۔ جب انسان دو حصّوں میں تقسیم ہو گیا تو اس کو دو یونٹ کی حیثیت دی جائیگی ایک یونٹ وسیع تر یونٹ ہے اور اسی یونٹ کی رسائی دریا کے مخرج تک ہے۔ دوسرا یونٹ محدود تر ہے۔ اس یونٹ کا تمام کارنامہ ماضی کے متعلق جاننا اور ماضی کو حافظے میں رکھنا ہے۔

یہی یونٹ انسانی شعور کی ساری حدود کا احاطہ کرتا ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے لاشعور کو وسیع تر یونٹ اور شعور کو محدود تر یونٹ کا نام دیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ لاشعور کی رسائی دریا کے ماخذ تک ہے۔ یہی وہ منبع اور ماخذ ہے جہاں سے ہر لمحہ اور ہر آن پوری کائنات کو زندگی کی تحریکات ملتی ہیں۔ اسی منبع کی بنیاد (BASE) امرِ ربانی ہے۔

# اسرارِ الٰہی کا بحرِ ذخّار

ابدالِ حق، سیدنا و مرشدنا حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نہ خود جُبّہ و دستار پوش تھے اور نہ ان کے ہاں بیعت کا سلسلہ مروّجہ طریقوں سے تھا۔ ان کے



ہاں نہ مشیخت کی کوئی کر و فر تھی، نہ پیری مریدی کا اہتمام۔ بادی النظر میں کون جان سکتا تھا کہ یہ سیدھی سادی ہستی اسرارِ الٰہی کا بحرِ ذخّار اور دریائے ناپید کنار ہے۔

حضور قبلہ بابا صاحبؒ کا ہر نفس فیضان سے مملو تھا۔ مجھے جب بھی ان کی حضوری میں باریابی ہوتی تو میں ان کے ارشاداتِ گرامی اور الطاف و اکرام جو مجھ پر ہوتے وہ سب بحوالہ دن، تاریخ اپنی بیاض میں قلم بند کر لیا کرتا تھا۔ چند ارشاداتِ گرامی پیشِ خدمت ہیں۔

۱۔ میں ایک روز حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے سلسلۂ عالیہ میں اپنے داخلے کی تصدیق کے طور پر کسی تحریری سند بشکل شجرہ کا خواستگار ہوا تو حضور بابا صاحبؒ نے فرمایا: "ہماری زبان سند ہے جو تحریر سے زیادہ مستند ہے۔"

مجھے اپنی اس نالائقی اور گستاخی پر بڑی ندامت محسوس ہوئی جو میری دلی تمنا کے ساتھ حضور بابا صاحبؒ کی چشمِ حقیقت بیں سے مخفی نہ رہی۔ دریائے رحمت جوش میں آیا اور اپنے در سے بھکاری کو خالی ہاتھ نہ بھیجنے کے لئے دوسرے روز اپنے قلم سے تحریر کر کے خود ہی موم جامہ کر کے مجھے عطا کیا اور فرمایا: "اسے بازو پر باندھ لو۔"

۲۔ ایک روز میں نے دریافت کیا کہ سلسلۂ عظیمیہ عالیہ میں اجرائے سلسلہ کے لئے کون کون باجاز اور صاحبِ اختیار ہیں؟

حضور بابا صاحبؒ نے ارشاد فرمایا: "ایک میں (حضور بابا جیؒ) خود ہوں، ایک خواجہ صاحب ہیں اور ایک ڈاکٹر صاحب ہیں۔ ایک بدر صاحب ہیں، ایک عبید اللہ صاحب ہیں جن کو تم نے نہیں دیکھا ہے۔"

پھر عرض کیا کہ ان حضرات میں حضور کے علاوہ صاحبِ تکوین بھی کوئی صاحب

ہیں ؟

فرمایا : ہاں ہیں "

اس کے ساتھ ہی لفظ " خانوادہ " کی تشریح فرمائی کہ خلیفہ اور خانوادہ میں یہ فرق ہے کہ خانوادہ کو امام اپنا ذہن منتقل کر دیتا ہے اور وہ امام کا ممثل ہوتا ہے۔

۳۔ ایک روز عرض کیا کہ خواب میں سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت ہوئی جس میں حضورؐ کا روئے انور صاف دکھائی نہیں دیا۔

حضور بابا صاحبؒ نے فرمایا " حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روئے منور دیکھنے کی کون تاب لا سکتا ہے ؟ تمہارے ذہن پر جو پردہ ہے وہ اٹھ جائے گا تو حسبِ استعداد شبیہِ مبارک صاف نظر آنے لگے گی "

۴۔ ایک روز بابا صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کی چند آیتوں کو جو منسوخ کہا جاتا ہے ، یہ غلط ہے۔ کیوں کہ قرآن کی ایک آیت کو منسوخ اگر مانا جائے تو سارا قرآن مشکوک ہو سکتا ہے ۔ اس لئے چاہیئے تو یہ تھا کہ جو آیات ناسخ و منسوخ دکھائی دیتی ہیں ان کے احکام میں غور کر کے تاویل و تطبیق کی جاتی۔

میری ( راوی ) اس معاملے میں مولانا انور شاہ صاحب سے بڑی گفتگو ہوئی تھی۔ وہ مجھے قائل نہ کر سکے اور یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ پہلے لوگوں کا یہی قول ہے جو ہمیں ماننا پڑتا ہے۔



# دربارِ رسالتؐ میں حاضری

ایک روز میں نے ڈاڑھی کے متعلق دریافت کیا کہ از روئے قرآن و حدیث اس کی حد کتنی ہے اور سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ریش مبارک کیسی تھی اور صحابہ کرامؓ بالخصوص خلفائے راشدینؓ ، جن سے بڑھ کر متبعِ شریعت کوئی نہیں ہو سکتا ، ان کی ڈاڑھیاں کتنی لمبی تھیں ؟

ارشاد فرمایا۔ " قرآن میں ڈاڑھی کی لمبائی چوڑائی کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی ہے۔ ڈاڑھی سے متعلق حدیث بھی صرف ایک ہے۔ باقی سب موضوع ہیں "

اس کے بعد فرمایا " ہماری دربارِ رسالت میں ہفتہ میں دو بار تو ضرور حاضری ہوتی ہے۔ وہاں خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین بھی موجود ہوتے ہیں۔ ہم جو وہاں دیکھتے ہیں وہ تو یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ریشِ انور کے موئے مبارک گھونگروالے ، پیچیدہ ، لچھے دار ہیں اور جسمِ اطہر پر ایک انگل کے قریب لمبے نظر آتے ہیں اور بڑے خوب صورت لگتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی ڈاڑھی خشخشی ہے ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ کی ڈاڑھیاں ذرا اس سے بڑی ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ڈاڑھی تو چڑھی ہوئی نظر آتی ہے "

اس سے معلوم ہوا کہ حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ صاحب دیوان الصالحین بھی ہیں۔

آخری علالت کے دوران جب بجلی کے علاج کا کورس پورا ہو گیا تو ایک روز اس علاج کے دوران ہونے والی سخت تکلیف کا ذکر کرتے ہوئے حضور بابا صاحبؒ

نے فرمایا کہ میں (حضور بابا جیؒ) نے اس تکلیف کے لئے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا کہ اے میرے مالک! تو نے مجھے محض اپنے فضل و کرم سے ابدالوں کا سردار بنایا اور ایسی تکلیف میں مبتلا کر دیا۔ اگر میری زندگی ختم ہو گئی ہے تو موت بھیج دے تاکہ اس تکلیف سے چھوٹ جاؤں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "خاموش! ہم اپنے خواص کو بھی عوام کے معمول سے گزارتے ہیں۔" اور مجھ سے دریافت کیا "کیا تم زندہ رہنا چاہتے ہو؟"

میں نے کہا "میں اپنے لئے زندہ رہنا نہیں چاہتا۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اویس قرنیؒ سے پوچھو۔"

میں نے حضرت اویس قرنیؒ کی خدمت میں یہ بات عرض کی۔ وہ سُن کر خاموش ہو گئے۔ کچھ جواب نہیں دیا تو میں بھی خاموش ہو گیا کیونکہ ایک دفعہ حضرت جنید بغدادیؒ کو اتنا سخت بخار تھا کہ ان کا بدن تپ رہا تھا۔ ان کے ایک دوست نے ان کی یہ حالت دیکھ کر کہا کہ حضور! اس تکلیف سے نجات کے لئے اللہ میاں سے کہیے۔ تو انہوں نے کہا میں نے اللہ میاں سے کہا تھا تو جواب ملا "خاموش! جنید بھی ہمارا، بخار بھی ہمارا۔ تم بیچ میں بولنے والے کون؟"

قادری العظیمی

## کُن فیکُون

ایک بار کن فیکون کی وضاحت کرتے ہوئے حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو جا، وہ ہو گئی۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ماضی میں چلی گئی۔ نہ ہی یہ مطلب ہے کہ وہ چیز ہو رہی ہے اور نامکمل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز نافذ العمل ہے اور مکمل ہے یعنی مکمل صورت میں نافذ العمل ہے۔ وضاحت اس کی یہ ہوئی کہ وہ چیز لازمانیت میں مکمل ہو چکی ہے اور زمانیت میں نافذ العمل ہے۔"

اسی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا "صرف ایک سیکنڈ ہے جو حقیقی ہے اور اس ایک سیکنڈ کی تقسیم سے ازل سے ابد تک وجود صادر ہوا ہے۔ یعنی وہی ایک حقیقی سیکنڈ (وقفہ کا چھوٹے سے چھوٹا یونٹ) تقسیم ہو کر وقت کے لامتناہی یونٹوں میں رُونما ہو رہا ہے۔ اس ایک سیکنڈ کے تکوینی مراحل کا اظہار اس عمل پر مبنی ہے کہ اس کی تقسیم لامتناہی یونٹوں کی شکل و صورت اختیار کرے۔ اس شکل و صورت کا نام مظاہر کائنات یا عالم ناسوت و جبروت و لاہوت ہے۔"

دوسری نشست کے دوران کُن فیکُون پر تکوینی نقطہ نظر سے روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا "کُن کے چار تکوینی شعبے ہیں۔ پہلا شعبہ ابداء ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ظہور موجودات کے کوئی اسباب و وسائل موجود نہیں تھے لیکن موجودات بغیر اسباب و وسائل کے مرتب اور مکمل ہو گئے۔ یہ تکوین کا پہلا شعبہ ہے۔ تکوین کا دوسرا شعبہ خلق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ موجودات کی شکل و صورت میں ظاہر ہوا اس میں حرکت و سکون کی طرزیں رُونما ہو گئیں اور زندگی کے مراحل یکے بعد دیگرے وقوع میں آنا شروع ہو گئے۔ یعنی موجودات کے افعالِ زندگی کا آغاز ہو گیا۔ تکوین کا تیسرا شعبہ تدبیر ہے۔ یہ موجودات کے اعمالِ زندگی کی ترتیب

اور محلِ وقوع کے ابواب پر مشتمل ہے۔ حکمتِ تکوین کا چوتھا شعبہ تدلّٰی ہے
تدلّٰی کا مطلب حکمتِ تکوین کا وہ شعبہ ہے جس کے ذریعے قضا و قدر کے
نظم و ضبط کی کڑیاں اور فیصلے مدوّن ہوتے ہیں۔ انسان کو بحیثیت خلیفۃ اللہ
علم الاسماء (علمِ قلم) کی حکمتِ تکوین کے اسرار و رموز اس لئے عطا کئے گئے
ہیں کہ وہ نظاماتِ کائنات کے امور میں نائب کے فرائض پورے کر سکے۔"

تحریر: فرخ اعظم



# مکتوبِ گرامی

*حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خط جو آپ نے ایک صاحب کے استفسارات کے جواب میں تحریر کروایا تھا۔*

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرِ عزیز سلمہٗ اللہ تعالےٰ ، بہت دعا۔

حسبِ ذیل عبارت تمہارے تحریر کردہ سوالات کے جواب میں لکھی جا رہی ہیں۔ بظاہر سوالات بالکل مختصر اور آسان ہیں لیکن ان کا جواب زیادہ غور طلب ہے اور تفصیل چاہتا ہے۔ اگر پوری باتیں سمجھنے میں دقت پیش آئے تو بار بار پڑھ کے اور غور کر کے الفاظ کا مفہوم اچھی طرح ذہن نشیں کر لینا۔ یہ ایسی باتیں ہیں جن کا صرف کاغذ پر لکھا رہنا کافی نہیں ہے، ان کا حافظہ میں نقش کرنا ضروری ہے۔

لوحِ محفوظ سے ایک نور آتا ہے وہ اس طرح پھیلتا ہے کہ ساری کائنات اس کی گرفت میں ہوتی ہے۔ اس کے پھیلنے کی طرزیں کسی ایک سمت میں نہیں ہوتیں بلکہ ہر سمت میں ہوتی ہیں۔ اسی بات کو دوسرے الفاظ میں اس طرح کہیں گے کہ اس نور کے پھیلنے کی کوئی سمت نہیں ہوتی۔ اب تم سمت نہ ہونے کا مطلب سمجھ لو کہ سمت نہ ہونا کیا چیز ہے اور نور کا تمام سمتوں میں پھیلنا کیا معنی رکھتا ہے۔ یہ ساری باتیں

اور محل وقوع کے ابواب پر مشتمل ہے۔ حکمتِ تکوین کا چوتھا شعبہ تدلّٰی ہے
تدلّٰی کا مطلب حکمتِ تکوین کا وہ شعبہ ہے جس کے ذریعے قضا و قدر کے
نظم و ضبط کی کڑیاں اور فیصلے مدوّن ہوتے ہیں۔ انسان کو بحیثیت خلیفۃ اللہ
علم الاسماء (علمِ قلم) کی حکمتِ تکوین کے اسرار و رموز اس لئے عطا کئے گئے
ہیں کہ وہ نظاماتِ کائنات کے امور میں نائب کے فرائض پورے کر سکے۔"

تحریر: فرخ اعظم



# مکتوبِ گرامی

حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خط جو آپ نے ایک صاحب کے استفسارات کے جواب میں تحریر کروایا تھا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

برادرِ عزیز سلمہٗ اللہ تعالےٰ، بہت دعا۔

حسبِ ذیل عبارت تمہارے تحریر کردہ سوالات کے جواب میں لکھی جا رہی ہیں۔ بظاہر سوالات بالکل مختصر اور آسان ہیں لیکن ان کا جواب زیادہ غور طلب ہے اور تفصیل چاہتا ہے۔ اگر پوری باتیں سمجھنے میں دقت پیش آئے تو بار بار پڑھ کے اور غور کر کے الفاظ کا مفہوم اچھی طرح ذہن نشین کر لینا۔ یہ ایسی باتیں ہیں جن کا صرف کاغذ پر لکھا رہنا کافی نہیں ہے، ان کا حافظہ میں نقش کرنا ضروری ہے۔

لوحِ محفوظ سے ایک نور آتا ہے وہ اس طرح پھیلتا ہے کہ ساری کائنات اس کی گرفت میں ہوتی ہے۔ اس کے پھیلنے کی طرزیں کسی ایک سمت میں نہیں ہوتیں بلکہ ہر سمت میں ہوتی ہیں۔ اسی بات کو دوسرے الفاظ میں اس طرح کہیں گے کہ اس نور کے پھیلنے کی کوئی سمت نہیں ہوتی۔ اب تم سمت نہ ہونے کا مطلب سمجھ لو کہ سمت نہ ہونا کیا چیز ہے اور نور کا تمام سمتوں میں پھیلنا کیا معنی رکھتا ہے۔ یہ ساری باتیں

قرآن پاک میں بالتصریح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ ان ارشادات کو متشابہات کہہ کر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ تحریر میں زیادہ گنجائش نہیں ہے۔ صرف ایک مثال دے کر میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔ اس مثال پر غور کرو۔

چند خلا باز خلا میں جا چکے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ستر میل سے زیادہ بلندی پر ایک تو بالکل بے وزنی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ زمین یا تو بالکل گول یا تقریباً گول نظر آتی ہے۔ ایک نے کہا ہے کہ گیند نما نظر آتی ہے۔ تم نے خود بھی مشاہدہ میں دیکھا ہے کہ پپیتہ کی صورت ہے۔ اب صحیح صورتِ حال سمجھنا چاہو تو یہ نظر آئے گا یا یہ محسوس ہو گا یا یہ حقیقت منکشف ہو گی کہ ساڑھے تین ارب انسان اور چلنے پھرنے والے چوپائے سب کے سب ٹانگوں کے بل زمین سے لٹکے ہوئے ہیں۔ ہر انسان یہ کہتا ہے کہ میں زمین پر پیروں کے بل چل رہا ہوں۔ سمجھ لو کہ وہ کتنی غلط بات کہہ رہا ہے۔ جب سے نوعِ انسانی آباد ہے، وہ تمام لوگ جن پر حقیقت منکشف نہیں ہوئی ہے یہی کہتے ہیں۔ یہی سمجھتے ہیں۔ غور کرو کہ جب آدمی پیروں کے بل لٹک رہا ہے تو چل کیسے سکتا ہے۔ لٹکنے کی حالت تو بالکل جبری ہے۔ اس کا یہ کہنا کہ میں چل رہا ہوں سراسر غلط ہے۔ جبری حالت میں اس کا ارادہ بے معنی ہے۔ اس لئے کہ اس کی اپنی کوئی حرکت ممکن نہیں۔ یہ بات تو قرینِ قیاس ہے کہ جن تاروں میں اس کے پیر بندھے ہوئے ہیں وہ تار حرکت کرتے ہوں اور ان کے ساتھ پیر بھی حرکت کرتے ہوں۔ ان تاروں سے انسان کے ارادے کا کیا تعلق جب کہ انسان کو ان تاروں کا کوئی علم ہی نہیں۔ باوجود اتنی صریح غلطیوں کے وہ دعوے کرتا ہے کہ میرا سر بلندی کی طرف ہے اور میرے پیر پستی کی طرف، اور میں چلتا پھرتا ہوں۔



واقعہ یہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو ایک بڑا بنا لیا ہے اور کہتا ہے کہ یہ بڑا حقیقت ہے۔

در اصل نہ کوئی سمت ہے، نہ انسان حرکت کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ ہاں صرف نیت کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی نیت ہی میں لاشمار دعوے جمع کر لئے۔ انسان کے باقی تمام دعووں کا اس ہی دعوے پر قیاس کر لو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ہر مشاہدہ کو رد کیا ہے۔ جگہ جگہ فرمایا ہے "تم نہیں سمجھتے ایسا ہے ایسا ہے اور تم نہیں دیکھتے۔" ایک جگہ فرمایا ہے "تم دیکھتے ہو پہاڑ اور گمان کرتے ہو کہ یہ جم رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو قرآنِ پاک میں غیب فرمایا ہے وہ انسان کا غیب ہے، اللہ کا غیب نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جب وہ اللہ کے لئے غیب نہیں ہے تو اللہ کے لئے حضور ہے۔ جو اللہ کا حضور ہے وہ حقیقت ہے جو انسان پر منکشف نہیں ہے۔ اس لئے جو اس کا مشاہدہ ہے وہ حقیقت نہیں ہے۔ اس ہی لئے غلط ہے۔ بدیں سبب ہر مشاہدہ کو رَد کیا ہے۔ اب ساری حقیقت علم حضوری ہے۔ یہ علم حضوری اللہ کی طرف سے ملتا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائیں۔ قرآنِ پاک میں اس کی بھی وضاحت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "جس نے ہمارے لئے جہد کیا ہے، ہم اس پر اپنی راہیں کھول دیتے ہیں۔" قرآنِ پاک میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں :-

ملکۂ سبا کے قصے میں ہے جب سلیمانؑ نے کہا اپنے درباریوں سے کہ تم میں سے کون اس کا تخت جلدی لا سکتا ہے تو جنات میں سے ایک نے کہا کہ جتنی دیر میں آپ دربار برخاست کریں، میں تخت حاضر کر دوں گا۔

دوسری آیت میں اللہ تعالٰے فرماتے ہیں :-

ایک دوسرے شخص نے کہا پلک جھپکنے بھی نہ پائے گی کہ تخت یہاں موجود ہوگا — اور تخت آگیا۔

اللہ تعالٰے نے اس شخص کی خصوصیت بتائی ہے کہ وہ کتاب کا علم رکھتا تھا۔ جتنے صحائف آسمانی ہیں، اللہ تعالٰے ان سب کو کتاب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان میں قرآن بھی ہے۔ چنانچہ قرآن میں یہ علم موجود ہے جیسا کہ اللہ تعالٰے نے خود فرمایا ہے اور بار بار قرآن کو کتاب کے نام سے موسوم کیا ہے۔ جو قرآن نہیں سمجھتے وہ جو بھی چاہیں کہیں۔ ان کی زبان کون پکڑ سکتا ہے۔ لیکن قرآن خود ان کی تردید کرتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ تم عربی پڑھو اور قرآن کو قرآن کے الفاظ میں سمجھو۔ بغیر کسی تاویل اور تفسیر کسی اثر کے بالکل غیر جانب دار ہو کر، اس تصور سے کہ اللہ تعالٰے کیا فرماتے ہیں۔ جہاں تک سمجھنے کا سوال ہے، اللہ تعالٰے نے خود وعدہ فرمایا ہے کہ میں نے تمہارے لئے قرآن کا سمجھنا آسان کر دیا ہے۔ ہے کوئی سمجھنے والا؟ یہ صلائے عام ہے۔ سورۂ قمر میں چار مرتبہ یہ بات کہی گئی ہے۔

آمدم برسرِ مطلب۔ تم یہ بات سمجھ گئے ہوگے کہ سمت کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ انسان کی اپنی مفروضہ اور قیاس کردہ ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے علم حضوری کے علاوہ کوئی علم موجود نہیں ہے۔ انسان کا حافظہ اتنی وسعت نہیں رکھتا کہ علم حضوری کی کسی ایک طرز کو بھی اپنے اندر محفوظ کرلے۔ چنانچہ لوحِ محفوظ سے پھیلنے والا نور انسان کو اطلاعات فراہم کرتا ہے تو اپنی غرض اور مطلب برآری کے نقطۂ نظر سے کام لے کر ان اطلاعات ۹۹۹ فی ہزار تو رد کر دیتا ہے۔ ایک فی ہزار کو مسخ کر کے



توڑ مروڑ کے حافظہ میں رکھ لیتا ہے۔ یہی مسخ شدہ اور بگڑے ہوئے خدوخال اس کے تجربات کا، مشاہدات کا، عادات اور حرکات کا سانچہ بن جاتے ہیں۔ اب جتنی اطلاعات وہ اخذ کرتا ہے، ان ہی سانچوں میں ڈھلتی چلی جاتی ہیں۔ یہ ہے انسان کا تمام کارنامہ اور اس کی معین کردہ اور فرض کردہ سمتیں، فارمولے اور اصول۔ اس ہی خرافات کے بارے میں وہ بار بار یہ کہتا رہتا ہے کہ یہ ہے میرا تجربہ، یہ ہے مشاہدہ، یہ ہے علم طبیعی۔

تمہارے ذہن میں یہ بات تو آگئی کہ جو نور پوری کائنات میں پھیلتا ہے اس میں ہر قسم کی اطلاعات ہوتی ہیں جو کائنات کے ذرہ ذرہ کو ملتی ہیں۔ ان اطلاعات میں چکھنا، سونگھنا، سننا، دیکھنا، محسوس کرنا، خیال کرنا، وہم و گمان وغیرہ وغیرہ زندگی کا ہر شعبہ، ہر حرکت، ہر کیفیت کامل طرزوں کے ساتھ موجود ہوتی ہے۔ ان کو صحیح حالت میں وصول کرنے کا طریقہ صرف ایک ہے۔ انسان ہر طرز میں، ہر معاملہ میں، ہر حالت میں کامل استغنیٰ رکھتا ہو۔ مسخ کرنے والی اس کی اپنی مصلحتیں ہوتی ہیں جہاں مصلحت نہیں ہے، وہاں استغنیٰ ہے، غیر جانبداری ہے اور اللہ کا شعار ہے اب جو حرکت ہوتی ہے وہ پوری کائنات کو محیط ہے اور پوری کائنات میں عمل کرتی ہے اس چیز کو پھر ایک دفعہ سمجھ لو۔ یہ کوئی باریک بات نہیں ہے۔ صرف توجہ کی ضرورت ہے۔

انسان کی ذاتی مصلحتیں اپنے لئے نور کی شعاعوں کو محدود کر لیتی ہیں۔ یہ محدود شعاعیں اپنا کائناتی عمل ترک نہیں کر سکتیں۔ وہ تو جاری رہتا ہے۔ اب انسان کا ایک باطل تصور جو اس نے شعاعوں سے وابستہ کر لیا ہے، غلط امیدیں

بن جاتا ہے۔ یہی ناکامی ہے۔ یہی انسانی مصیبت ہے۔ سیدھی سادی بات ہے کہ جس نور کا تعلق ساری کائنات سے ہے وہ ایک فردِ واحد کے لئے کیسے مخصوص ہو سکتا ہے۔ انسان اگر ذاتی اغراض کی قید و بند میں مبتلا نہیں ہے تو ان شعاعوں کو پوری کائنات پر محیط دیکھتا اور محیط سمجھتا ہے۔ چنانچہ شعاعوں کا اور اس کے زاویۂ نظر کا ایک خاص ارتباط قائم ہو جاتا ہے۔ یہ ارتباط وہ شئے ہے جو اللہ کے قانون کے زیرِ اثر شعاعوں کے لئے محلِ توجہ ہے۔ اب اس کے مفاد کا تحفظ شعاعیں خود کرتی ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ اگر وہ کہے دن تو شعاعوں کو دن پیدا کرنا پڑے گا۔ اگر وہ کہے رات تو شعاعوں کو رات کی تخلیق کرنی پڑے گی۔ اللہ کا شعار شعاعوں کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ وہ دو سنتیں پوری کریں — ایک کائنات کے لئے عمل کرنا، دوسری اس فرد کے مفاد میں عمل کرنا جس نے ان شعاعوں سے ارتباط قائم کیا ہے۔

جس وقت حضرت اویس قرنیؓ اور حضرت عمرؓ کی ملاقات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے حضرت اویس قرنیؓ سے درخواست کی تھی کہ آپ مجھے کچھ نصیحت کریں۔ اس پر حضرت اویسؓ نے دو سوال کئے۔

۱۔ "یا عمرؓ! آپ اللہ کو جانتے ہیں؟"

انہوں نے جواب دیا: "ہاں، میں اللہ کو جانتا ہوں۔"

۲۔ "یا عمرؓ! اللہ بھی آپ کو جانتا ہے؟"

جواب دیا: "اللہ بھی مجھے جانتا ہے۔"

ان دونوں باتوں کا مطلب بالکل واضح ہے۔ صرف یہ کافی نہیں ہے کہ



انسان اللہ کی راہ میں قدم اٹھائے اور کام پورا ہو جائے۔ وہاں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ قدم صرف اللہ کے لئے اٹھایا گیا ہے یا اور بھی مصلحتیں شامل ہیں۔ اس میں جنت بھی ایک مصلحت ہے۔ اور بہت سی نیکیاں بھی مصلحت ہیں۔ اللہ تعالےٰ کسی کو اس وقت تک نہیں پہچانتا جب تک کہ مقصد صرف اللہ کی ذات نہ ہو۔ اگر ایک آدمی کا مقصد جنت ہے تو جنت اسے جانتی ہے۔ کہتی ہے "آؤ لبیک!" یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ روحانیت میں اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا مقصد، کوئی دوسری غایت شریک کرنا کفر ہے۔

تم نے جو خواب لکھا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:-

میں آپ کے قدموں میں بیٹھا رو رہا ہوں اور کہہ رہا ہوں کہ باباجی! میری اماں کہاں گئی۔ میری اماں مجھے دلا دو۔

اطلاع کے تین حصّے ہیں۔ ایک حصّہ میری صورت ہے۔ دوسرا حصّہ تمہاری اپنی صورت ہے۔ تیسرا حصّہ اماں ہیں جو موجود نہیں ہیں۔ اطلاع کا انکشاف ہوتا ہے یہاں سے کہ تم ایک جگہ ہو۔ اس جگہ تمہاری حیثیت ایک ایسے سوال کی ہے جو بہت سے سوالات کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ کا نام ہے اماں یعنی زندگی کے بہت سے راستے جس نقطہ سے شروع ہوتے ہیں اور انسان یہ طے نہیں کر سکتا کہ مجھے کن راستوں پر سفر کرنا ہے۔ قدرتاً ماں کی پوزیشن یہی ہے کہ وہ زندگی کو ایک ایسے نقطے پر لا کر کھڑا کر دیتی ہے جہاں سے زندگی کا سفر شروع ہوتا ہے۔ راستے لاشمار ہیں۔ انسان کے سامنے یہ مرحلہ ہے کہ وہ جس راستہ پر سفر شروع کرے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ راستہ غلط ثابت ہو جائے اور اسے ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑے۔

یہاں وہ اپنی رُوح سے رہنمائی چاہتا ہے لیکن رُوح کو کسی رُوپ میں متشکل دیکھتا ہے کیوں کہ اسے ہر شئے کو مشہود بنا کے دیکھنے کی عادت ہے۔ جن دنوں میں تم نے یہ خواب دیکھا ہے، ان دنوں میں ایسے خیالات کا زیادہ زور اور دباؤ رہا ہے۔ مذکورہ بالا خواب ۱۹۔ جون کا ہے۔ ذہن پر یہ کیفیت ہفتوں پہلے سے مسلط تھی۔ اس کا جواب رُوح ۲۔ جون کو خواب میں دے چکی ہے۔ ۲۔ جون کا خواب تم نے اپنے الفاظ میں اس طرح دیکھا ہے :-

ایک آدمی نے مجھے آکے کہا کہ قبلہ بدر صاحب نے تم کو بلایا ہے۔ میں فوراً روانہ ہوگیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ایک مکان میں داخل ہوگیا۔ دروازہ پر ایک عورت ملی اس عورت نے کہا کہ بدر صاحب اس کمرے میں تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ کمرے میں داخل ہو کر میں نے دیکھا کہ بدر صاحب میز کے سامنے بیٹھے ہوئے کچھ کر رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر وہ کھڑے ہوگئے۔ میں نے سلام عرض کیا۔ انہوں نے مجھے گلے سے لگایا اور میری زبان اپنے منہ میں لے کر زور سے دبائی جس سے میری آنکھ کھل گئی۔

اس خواب میں مذکورہ سوالات کا پورا جواب موجود ہے۔ یعنی مستقبل میں اللہ کی طرف سے معاونت کا بندوبست ہوگا۔ غیب سے ایسا پروگرام بن جائے گا جو آئندہ زندگی کو کامیاب بنانے کا ضامن ہے۔ ہر چیز بروقت ہوتی جائے گی۔ واضح طور پر اس خواب میں سب چیزیں موجود ہیں ـــ تمہارا بلایا جانا، درمیان میں کسی کی رہنمائی اور آخری منزل میں انسپائریشن (INSPIRATION)، الہامی خیال) کی تکمیل غیب سے۔ یہ سارے ذرّات خواب میں الگ الگ موجود ہیں۔ دنیا کے معاملات باقی رہے، وہ سارے کے سارے ان ہی کڑیوں کا ساز و سامان ہیں۔ ان کا بروقت



موجود ہونا، عمل میں آنا یقینی ہے۔

تم نے حسب ذیل مراقبہ لکھا ہے :-

۱۔ رات کو سبق پڑھتے ہوئے سارا جسم زمین سے اٹھ جاتا ہے۔ مگر جب آگے چلنے کی کوشش کرتا ہوں تو گرنے لگتا ہوں۔

۲۔ جب آپ کا تصوّر کرتا ہوں تو آپ اور ناظم آباد کا پورا مکان میرے سامنے ہوتا ہے مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں ناظم آباد میں ہوں یا ناظم آباد اور آپ میرے پاس آگئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا ہے :

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

مفہوم : یہ کتاب ان لوگوں کو روشنی دکھاتی ہے جو اپنے اندر اللہ کے بارے میں ذوق رکھتے ہیں۔

غیب سے مراد وہ تمام حقائق ہیں جو انسان کے مشاہدات سے باہر ہیں وہ سب کے سب اللہ کی معرفت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایمان سے مراد ذوق ہے۔ ذوق وہ عادت ہے جو تلاش میں سرگرداں رہتی ہے۔ اس لئے نہیں کہ اسے کوئی معاوضہ ملے گا۔ بلکہ صرف اس لئے کہ طبیعت کا تقاضہ پورا کرے۔ متقی سے وہ انسان مراد ہے جو سمجھنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتا ہے۔ ساتھ ہی بدگمانی کو راہ نہیں دیتا۔ وہ اللہ کے معاملے میں اتنا محتاط ہوتا ہے کہ کائنات کا کوئی رُوپ اُسے دھوکا نہیں دے سکتا۔ وہ اللہ کو بالکل الگ سے پہچانتا ہے اور اللہ کے کاموں کو بالکل الگ سے جانتا ہے۔ صحیح طور سے پہچاننے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر ذوق موجود ہے۔

یہ نہ سمجھ لینا کہ ہر انسان کے اندر یہ ذوق موجود نہیں ہے۔ درحقیقت وہی ذوق لائف اسٹریم ( LIFE STREAM ، چشمۂ حیات ) ہے۔ اس ہی زندگی کی بنا ہے۔ انسان اس کو استعمال کرے یا نہ کرے یہ اس کی اپنی مرضی اور مصلحت ہے۔

یہ ذوق ہی انسان کے اندر بستا ہے ورنہ انسان خلا ہے جیسا کہ اللہ تعالٰی نے قرآنِ پاک میں ارشاد کیا ہے :

"میں نے انسان کو بجتی مٹی سے بنایا ہے۔"

یہاں مٹی کی نیچر ( NATURE ، فطرت ) بیان کی ہے جو خلا ہے۔

اب یہ بات تمہارے لئے سمجھنا بہت آسان ہے کہ ذوق میں نہ وزن ہوتا ہے ، نہ ذوق کے لئے فاصلہ کوئی معنی رکھتا ہے۔ نہ ذوق زمین آسمان کی حدود کا پابند ہے۔ نہ اسے وقت پابند بنا سکتا ہے۔ یہی ذوق چلتا پھرتا ہے۔ یہ بات ضرور ہے کہ انسان اس سے اس وقت تک متعارف نہیں ہوتا جب تک اس سے تعارف حاصل نہ کرے۔ جب تعارف حاصل کر لیتا ہے تو اُسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہی ذوق انسان ہے۔ یہ پوری کائنات میں آزاد ہے۔ فرشتوں کا سربراہ ہے۔ اللہ کی بہترین صنعت ہے اور کائنات میں اللہ کا نائب ہے۔ نہ وہ پیروں سے چلنے اور ہاتھوں سے پکڑنے کا پابند ہے۔ نہ وہ آنکھوں سے دیکھنے اور کانوں سے سننے کا محتاج ہے۔ یہ ساری خرافات انسان نے آپ ہی تخلیق کی ہیں۔ اور آپ ہی ڈھول بجاتا پھرتا ہے کہ ہائے میں تو بالکل مجبور ہوں۔ تم یہ سوچو گے کہ کتنے ہی آدمی جو اللہ تعالٰی سے تعارف حاصل کر سکے وہ تو بہر صورت آزاد نہیں ہیں۔ انہیں ہر معاملہ میں آزاد ہونا چاہیئے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ آزاد ہیں مگر ساتھ ہی وہ نوعِ انسانی کے معاشرے کی رسی میں



بندھے ہوئے ہیں۔ ہر دور میں اس ہی کمزوری نے ایسے لوگوں کی آزادی کو ادھورا رکھا ہے۔

جس کا نام زیدؔ ہے وہ اس ہی ذوق کا پیٹرن ( PATTERN ، طرز ) ہے۔ کوئی پیٹرن ساکت و صامت پنجرہ نہیں بلکہ بولتا ، چلتا پھرتا ، کھاتا پیتا ، سوچتا سمجھتا انسان ہے۔ فرش سے عرش تک اس کا ایک قدم ہے۔ سوئی کا روزن اور آسمانوں کی کھلی فضا ایک ستارہ سے دوسرے ستارے تک کا فاصلہ اس کے لئے ایک ہی معنی رکھتا ہے۔ وہ نہ کہیں رکتا ہے ، نہ کھٹکتا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ وہ خود کو جانتا نہیں کہ میں کیا ہوں اور کائنات کیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نوعِ انسانی پر یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ انہوں نے ان تمام رازوں کو واشگاف کر کے رکھ دیا۔ یہ نہ سمجھنا کہ یہ سب راز انہوں نے از خود منکشف کر دیئے تھے بلکہ ان پر اللہ نے کھولے جن کو من و عن انہوں نے قرآن کی صورت میں ریکارڈ کرا دیا۔ انہوں نے ساری زندگی کی جفاکشی سہہ کر اس امانت کو نوعِ انسانی کے حوالے کیا۔ نوعِ انسانی نے جو قدر کی ہے ، وہ ظاہر ہے۔

اللہ نے اس ہی علم کو کتاب کا علم فرمایا ہے۔ ہر انسان اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے ، چاہے اس کا نام زید ہو ، بکر ہو یا عمر ہو۔

تم نے لکھا ہے کہ چلنے کی کوشش کرتا ہوں تو گرنے لگتا ہوں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ ابھی تم انسان سے اچھی طرح متعارف نہیں ہو جو حقیقی انسان ہے۔

تم یہ خط بغور پڑھنا۔ اگر کوئی لفظ یا طرزِ بیان تمہیں مشکل محسوس ہو اسے بار بار پڑھ کر سمجھ لینا۔ رات کے وقت فرصت میں بیٹھ کر حرف بحرف اس خط

کی نقل کرنا اور وہ نقل اپنی فائل میں محفوظ کرلینا۔ اس خط کی نقل کرنا تمہارے لئے اشد ضروری ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ عبارتیں اور مفہوم اچھی طرح تمہارے حافظے میں منتقل ہوجائیں۔ پھر اس نقل کا بار بار پڑھنا بھی ضروری ہے۔ جب تم اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر کو بار بار پڑھنے میں آسانی محسوس کروگے اور ذہن کو لفظوں کے معانی میں مرکوز رکھ سکوگے، میرے لکھے ہوئے لفظوں کو پڑھنے میں ذہن پر الگ سے جو بار پڑسکتا ہے اس بار سے تمہارا ذہن محفوظ رہے گا۔

سلسلہ کے سب بہن بھائی تمہیں یاد کرتے ہیں اور مزاج پوچھتے ہیں۔

بہت یاد سے

دعاگو

حسن اخریٰ محمد عظیم

ایجے شب، ۱۹۔ اگست ۱۹۶۳ء

(۲)

**حرّیت**، کراچی کے ایک قاری نے نہایت طنز و مزاح کے پیرائے میں راقم الحروف کے لکھے ہوئے تمام مضامین پر دشنام طرازی کے ساتھ اعتراض کیا تھا۔ اور یہ جواب جو کہ "ایک قاری کے خط کے جواب میں عرض ہے کہ" کے عنوان سے مورخہ ۔ جولائی ۱۹۷۸ء کو "روحانی علاج" کے کالم میں شائع ہوا تھا، راقم الحروف کے پیر و مرشد حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح لکھوایا ہے:



نوعِ انسانی کا طرزِ کلام جتنا محدود ہے اور اس کے اندر جتنی خامیاں ہیں، ہم ان پر غور نہیں کرتے۔ ممکن ہے ہماری نوع اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہی نہ سمجھتی ہو یا اس طرف توجہ کرتی ہو تو اس طرح جیسے کوئی خلا میں جھانکتا ہے اور جھانکنے کو فضول سمجھ کر نظر انداز کردیتا ہے۔

**مثال**: ہم کبھی افسانوی زبان میں یا واقعاتی تذکروں میں کہتے ہیں کہ ہمارا گزر ایک بہت بڑے اور گھنے جنگل سے ہوا۔ اس جنگل میں سائے تھے اور تیز ہوا کی چیخیں سنائی دیتی تھیں۔ تاریک راتوں میں جب ہوا رُک جاتی تو جنگل بھیانک سناٹے اور موت کا نمونہ بن جاتا۔

آپ ان جملوں کو چند بار پڑھیئے اور غور کیجئے کہ بیان کرنے والے نے فی الواقع کوئی صحیح اور معیّن بات کہی ہے؟ یا قارئین کو صرف اندھیرے میں پھینک دیا ہے۔ بیان کرنے والے نے یہ بات بالکل نہیں بتائی کہ جنگل میں کون کون سے درخت تھے۔ ان کا قد و قامت، ان کا رنگ و روپ، ان کے پھول پتیاں کس وضع کی تھیں اور ان درختوں سے ملحق کون کون سے پرندے، کس قسم کے جانور اور ان کی شکل و صورت کیا تھی۔ زمین اور چھوٹے پودے اور زمین پر اُگی ہوئی گھاس، زمین کا اتار چڑھاؤ، زمین پر بہنے والا پانی، نرم ریت اور سخت پتھریلے علاقوں کے نقش و نگار کیا تھے۔ اس جنگل میں کتنے آبشار، کتنے پہاڑ، کتنے ٹیلے اور کتنے ریگ زار تھے۔

قارئین کبھی یہ نہیں سوچتے کہ بات کس قدر بے سروپا کہی گئی ہے حالانکہ وہ عبارت پڑھنے کے بعد کچھ نہیں سمجھتے بجز اس کے کہ جنگل کا ایک تصور ذہن میں بنا

اور ذہن اس سے چمٹ کر سو گیا۔ اور صرف ایک سیکنڈ یا ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں جاگ اٹھا اس امید پر کہ آگے اور کیا پیش آیا، قصہ گو اور کیا کہے گا۔ قارئین اس مقام تک پہنچ کر مگن ہو جاتے ہیں اور افسانہ نویس یا مقرر کی تعریف کرنے لگتے ہیں۔ اس قسم کی بھول بھلیاں علم کے تمام میدانوں میں عام ہیں۔ انہیں بھول بھلیوں سے متعلق انسان نے کروڑ در کروڑ کتابیں لکھ ڈالیں، کھرب در کھرب تقریریں کر ڈالیں اور سنکھ در سنکھ روزمرہ گفتگوؤں کی داغ بیل ڈالی ہے۔

اب ذرا سنتے جائیے، تاریخ انسانی کیا کہتی ہے؟ یہ وہ تاریخ ہے جو نوعِ انسانی کے تمام علوم کی نشاندہی کرتی ہے۔

## ہزاروں سال پہلے کا دور

ماہ پرستی اور ستارہ پرستی کے دور میں کہا گیا کہ زمین ٹھہری ہوئی ہے، سورج گردش کرتا ہے۔

یہ بہت پرانا دور تھا، ہزاروں سال پہلے کا دور۔ پھر ایک دور آیا۔ انجانی قوتوں سے ڈرا ہوا انسان کہنے لگا میری ساری گردشیں دیوتاؤں کی قوت سے سرزد ہوتی ہیں۔ اس دور کے انسان نے یہ بھی کہا کہ کہیں نہ کہیں روحوں کا مرکز ہے۔ اس ہی مرکز سے انسان کی قسمت وابستہ ہے، ستاروں کی قسمت وابستہ ہے، پہاڑوں، درختوں، دریاؤں اور جانوروں کی قسمتیں وابستہ ہیں۔ ہوائیں اور روشنیاں بھی اسی مرکزِ ارواح سے ملتی ہیں۔ رفتہ رفتہ ان روحوں کی شکل و صورت معین کی گئیں۔ دیوتاؤں کے مجسمے بنائے گئے۔ بت پرستی عام ہوتی چلی گئی۔ فیثا غورث اور تھیلس کا زمانہ آیا۔ تو انہوں نے کہا یہ ستارے کیا ہیں؟ مادہ کیا ہے؟ یہ کائنات کیا ہے؟ مادی ذرات کا مجموعہ ہے۔ اب انسان کچھ فلسفیانہ اور طبعی طرزوں پر باتیں کرنے لگا۔ ان کا خیال یہ تھا کہ آدمی کی آنکھوں سے روشنیاں طلوع ہو کر چیزوں کو دیکھتی اور پہچانتی ہیں۔ تمام نوعِ انسان میں لاکھوں باتیں کرنے والے حکماء، فلسفی، ہیئت داں، طبیعاتی ماہرین وغیرہ پیدا ہوئے اور کچھ نہ کچھ کہتے رہے۔ ان میں اختلافِ رائے تھا—کیوں؟

اس لئے کہ حقیقت تک کوئی نہیں پہنچا۔ حقیقت صرف ایک ہو سکتی ہے۔ ہزاروں، لاکھوں نہیں ہو سکتیں۔ اگر یہ لوگ حقیقت سے واقف ہو جاتے تو اختلافِ رائے ہرگز نہیں ہوتا۔

## سورج مرکز ہے، زمین مرکز نہیں

اب سورج کی پرستش شروع ہو گئی۔ کوپرنیکس آفتاب پرست تھا۔ اس لئے کہا سورج مرکز ہے۔ زمین مرکز نہیں ہے۔ پیشتر بھی یہی بات کہی گئی تھی لیکن کوپرنیکس نے زیادہ زور دے کر ہیئت کو نقشہ بدل کر پیش کیا۔ آئزک نیوٹن کا زمانہ آیا۔ اس نے کہا کششِ ثقل اور میکانکیت ۔ ت کا اسلوب ہے۔ نیچر (NATURE، فطرت) میں گراریوں کے ذریعے عمل ہو رہا ہے۔ صدی گزرنے لگی تو اہلِ فن نے کہنا شروع کر دیا کہ فطرت کے تمام مظاہر کمانیوں اور گراریوں پر عمل پیرا نہیں ہیں۔ نیوٹن کے بعد دوسری صدی آئی تو اس کے وضع کردہ جذب و کشش اور مقناطیسیت بھی بحث طلب امور بن گئے۔ بائیس سو برس پہلے دیمقراطیس نے جو بات کہی تھی کہ مادہ کا آخری ذرہ جزو لاتجزیٰ ہے، وہ ٹوٹ نہیں سکتا۔ یہ بات پھر لوٹ آئی مگر امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں یہ تھیوری ( THEORY، نظریہ) پامال ہو چکی تھی۔

سائنس دانوں نے کہا جوہری نظام قابلِ قبول ہے۔ مگر جوہری نظام کا

آخری مرحلہ کیا ہوسکتا ہے ؟ یہ جاننا ضروری ہے۔ اور جوہر کو توڑنے کی جد و جہد شروع ہوگئی۔

بیسویں صدی کے نصف اوّل میں انسان تمام میدانوں سے بھاگ نکلا۔ اس نے فیصلہ کردیا کہ ایتھر موجود نہیں ہے۔ یہ صرف پہلے لوگوں کا مفروضہ تھا۔ اس دَور کے سائنس داں رُوح سے بیزار ہو ہی چکے تھے۔ ان کا یہ خیال ہوا کہ کہیں ایتھر کی جگہ رُوح نہ آجائے۔ ان نظریات کو کہ آنکھوں کی روشنی باہر دیکھتی ہے وہ پہلے ہی نظر انداز کرچکے تھے۔ نئے نظریات کی رُو سے خارجی دنیا کی روشنی ساری آنکھوں میں داخل ہوکر دماغی اسکرین پر شبیہیں اور علامتیں بناتی دکھائی دینے لگیں۔ بات سے بات نکلتی ہے۔

## فرائڈ کا نظریہ

نفسیات دانوں نے باصرہ، لامسہ اور سامعہ کے مہیجوں کا سہارا لینا شروع کردیا۔ فرائڈ نے اپنے دَور سے پہلے لوگوں کی کہی ہوئی باتوں پر توسیعی تانا بانا تیار کیا۔ جو ڈارون کی ارتقائی زنجیروں سے ملا جُلا پنجرہ بن گیا۔ اس پنجرے میں اسلاف سے منتقل شدہ لی بی ڈو داخل ہوگیا جس کے اندر نوعِ انسان کے گناہوں کی تمام حسرتیں مجتمع تھیں۔ اسے بھی رُوح کا ڈر ہوا تو اس نے کہا "یہ صرف لاشعور ہے"۔

آئنسٹائن کے معاصر جب چند صدیوں کے معرکۃ الآرا اجتہاد پر تبصرہ کرنے لگے تو انہوں نے شعاعی مظاہر، مقناطیسی مظاہر اور حیاتی مظاہر کو الگ الگ کردیا ـــــ اب جوہر ٹوٹ چکا ہے اور آئنسٹائن کی وضع کردہ تھیوری زمان و مکان کے بارے میں پھیل چکی ہے۔ اس نے کہا کہ زمان و مکان کا الگ الگ تصور بالکل



غلط ہے کیونکہ مکان میں ترچھا پن ہے۔

تشریح کی گئی کہ فطرت کا عمل جو کائنات میں جاری و ساری ہے، روانی میں عمودی نہیں بلکہ اس میں ترچھا پن ہے۔ یہاں جذب و کشش، نظامِ سیارگان اور روشنی کی رفتار سب کی سب مشکوک ہوگئی۔ یہ دور اضافیت اور مقداریت کے نام سے موسوم ہوا۔

Relativity
Quantum

ذرا سوچیئے ! روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار دو سو بیاسی میل فی سیکنڈ مان لی جائے تو مکان میں ترچھا پن اور اس کی پیمائش کس طرح ممکن ہے جب کہ ہم فاصلہ بالراست ناپتے ہیں یعنی عمودی لائن ڈال کر، نہ کہ نیم دائرہ بنا کر۔ آئنسٹائن اور آئنسٹائن جیسے اور لوگ، مابعد النفسیات اس کی حمایت نہیں کرتا۔

## علم مابعد النفسیات

علم مابعد النفسیات اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ ہمارے طرزِ بیان میں قدم قدم پر اتنی خامیاں ہیں کہ ہم جوش میں سب کچھ کہتے چلے جاتے ہیں اور یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ ہم کہا کرتے ہیں کہ ماضی کے نقوش ہیں۔ ہماری زمین کھربوں سال پُرانی ہے اور کائنات کی عمر ممکن ہے سنکھوں سال سے بھی زیادہ ہو۔ ان الفاظ کے معانی کیا نکلتے ہیں اور ذرا سمجھنے کی کوشش کیجئے۔

الفاظ کا مطلب بہت واضح ہے یعنی سنکھوں سال کا زمانہ منجمد ہوکر مکانیت (SPACE) کی صورت بن گیا جس کو ہم کائنات کہتے ہیں۔ جب تک زمانہ منجمد نہیں ہوا تھا اس وقت تک نہ شاہد تھا نہ مشہود۔ یہ کہنے والا بھی نہیں تھا کہ یہ کائنات ہے۔

اور نہ کائنات تھی۔ یہ وہی زمانہ ہے جس کو نہ ہم چھو سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ اپنے اندر محسوس کرتے ہیں اور نہ باہر لیکن زمان (TIME) یا لازمان کی موجودگی سے انکار بھی نہیں کر سکتے۔

سطور بالا سے یہ بات واشگاف ہو جاتی ہے کہ خواب ہو یا بیداری دونوں حالتوں میں ہم زمان کا محض تذکرہ کرتے ہیں۔ زمان حواس کی گرفت سے ماوراء ہے۔ آپ کا یہ سوال کہ خواب کے حواس میں زمانیت کی طرح مکانیت نظر انداز نہیں ہوتی، محض شعوری اور لاشعوری تعین کی درجہ بندی ہے۔ شعور اگر زمان کی طرف متوجہ ہے یعنی شعور کا یقین یہ ہے کہ اب ایک لمحہ، دوسرا لمحہ اور گھنٹے گزر رہے ہیں تو یہ تعین زمان کی گرفت سخت تر کر دے گا۔ لیکن اگر شعور زمان کے گزرنے یا نہ گزرنے کی طرف توجہ دے کہ لمحے گھنٹے گزر رہے ہیں تو یہ تعین زمان کے گزرنے یا نہ گزرنے کی طرف توجہ دے تو لمحے، گھنٹے، دن اور ہفتے کی زمانیت ایک آن میں سمٹ جاتی ہے۔

عرض یہ کرنا ہے کہ زمان کو رفتار کی بنا پر سمجھا جاتا ہے۔ فی الواقع ہم کسی بھی شئے کو اس وقت تک نہیں دیکھ سکتے، نہ ہی چھو سکتے، نہ ہی محسوس کر سکتے جب تک زمانیت منجمد نہ ہو جائے۔ زمانیت کے انجماد کی رفتار سے مکانیت بھی پلٹتی اور سمٹتی رہتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ہم پچاس سال کی عمر میں ایک ایسی بات یاد کرتے ہیں جو ہمارے ساتھ چار یا پانچ سال پیچھے ماضی میں پہنچتی ہے۔ ہمارے اوپر اس واقعے کی پوری کیفیات مرتب ہو جاتی ہیں۔ لمحوں، سیکنڈوں یا منٹوں کے لئے ہم بھول جاتے ہیں کہ ہماری عمر اس وقت پچاس سال ہے۔ اسی بات کو ہم نے



زمانے کا منجمد ہونا کہا ہے۔

جہاں تک حواس کو جاننے اور سمجھنے کا تعلق ہے، اس کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ نوعِ انسان کا شعور ابھی ایک انگوٹھا چوستے بچے کی حیثیت کے علاوہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ تاریخ شاہد ہے کہ ابتدائے آفرینش سے آج تک حواس کے بارے میں کوئی ایک رائے قائم ہی نہیں کی جا سکی۔

## مابعدُالنّفسیات اور نفسیات

مابعدالنفسیات اور نفسیات میں بنیادی فرق یہ ہے کہ نفسیات داں یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ انہیں معلوم ہے کہ شعور اور حواس کا مخزن اور فارمولا کیا ہے، حواس کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ سمجھنا ایسا ہی ہے جیسے دو سال کا بچہ ماں باپ کے کہے ہوئے الفاظ دُہرا دیتا ہے۔ مابعدالنفسیات اور اس سے ملحقہ سب علوم اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ حواس اگر ہیں تو ان کی حقیقت کیا ہے۔ زمانیت مکانیت کی موجودگی اگر ہے تو اس کا شعور وحواس سے کیا تعلق ہے اور فی الواقع ان کا SOURCE (ذریعہ) کیا ہے۔

# تصنیفات

# لوح و قلم

ادارہ روحانی ڈائجسٹ کا یہ فیصلہ مستحسن اور وقت کی اشد ضرورت کی تکمیل ہے کہ اس موقر رسالہ میں قسط وار شائع ہونے والا مضمون "لوح و قلم" آموختہ کی شکل میں دوبارہ قسطوں میں شائع کیا جائے گا۔ علومِ رُوحانی سے دلچسپی رکھنے والے قارئین جنہوں نے اس نایاب دکیتائے روزگار سلسلۂ مضامین کا بہ نظرِ غور مطالعہ کیا ہے ان پر یہ حقیقت ضرور واضح ہو گئی ہوگی کہ یہ کوئی عام طرز کی تصوّف یا رُوحانی تعلیم کی کتاب نہیں ہے بلکہ اس کے مندرجات اپنے رُوحانی اور معنوی سحر انگیز تاثرات کے ساتھ ساتھ دل و دماغ کے بند اور کُند گوشوں کو کھول کر اور جِلا بخش کر قدرت کے ان عظیم رازوں کو بھی واشگاف کر دیتے ہیں جن پر کسی مروجہ علوم یا سائنس کے تصوّرات کا عکس بھی اب تک نہ پڑا تھا۔ حضور قلندر باباؒ کا یہ گراں بہا عطیہ رہتی دنیا تک مشعلِ ہدایت اور مینارِ نور کا کام دے گا۔ وہ زمانہ، گو ہماری آنکھوں سے لاکھ اوجھل سہی، عالمِ غیب میں ضرور پرورش پا رہا ہے جو "لوح و قلم" کے اسرار و رموز سے روشناس ہوگا۔ اور جب دنیا میں ایک رُوحانی انقلاب برپا ہوگا اور یقیناً ہوگا تو یہی حاملانِ علومِ سماوی اس انقلاب کے نقیب ہوں گے۔ اس دور کے یہ عظیم مفکرین اپنی نُورانی اور رُوحانی



قیادت و رہنمائی سے انسانی دل و دماغ کو ایک نئی روشنی اور قوّت عطا کریں گے۔ ان کے توسط سے اور ان کی شخصیت کی فیض رسانی کے طفیل ایک ایسا نظامِ عالم تشکیل پائے گا جس میں موجودہ زمانہ کی نفسا نفسی اور خود غرضی کا گزر نہ ہوگا۔

یہ زمانہ جس میں ہم اور آپ یکساں طور پر کشمکش اور ابتلائی زندگی بسر کر رہے ہیں اور جہاں ہر طرف مادّیت کی یلغار ہے، بتدریج اپنے انجام کی طرف بڑھ رہا ہے۔ مادّیت کی تیز روشنی میں بصارت کی خیرگی اور دل سوز جلن ہے، مگر روح کی لطافت اور بصیرت کی نمی نہیں ہے۔ جس طرح مادّیت کو قرار اور دوام نہیں ہے، اسی طرح مادّیت کی بنیاد پر جو عمارت تعمیر ہوگی وہ دیر یا سویر سے ضرور زمیں بوس ہو جائے گی۔ یہ نظامِ قدرت ہے اور کوئی اس کا توڑ نہیں۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے ۸۱ سال کی عمرِ طبعی پائی۔ ان کی بصیرت پرور نگاہوں کے سامنے موجودہ صدی کے رُوح فرسا حادثات اور انقلابات رونما تھے۔ انہوں نے مادّی قوّتوں کو پروان چڑھتے دیکھا اور اپنی گہری مگر حزن و ملال سے بھری نگاہوں سے مشاہدہ فرمایا کہ انسانیت کس طرح باوجود فراوانیِ علم و دانش پامال اور درماندہ ہو رہی ہے۔ خارجی زینت و آرائش اور عیش کوشی کے پس پردہ داخلی انتشار و اضطراب اور نکبت و فلاکت کا دیو رُوح و دل کو روند رہا ہے۔ اور راہِ نجات اور جائے مفر نظر نہیں آتی۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ زمانۂ حاضرہ کے لوگوں کی، خاص طور پر مسلمانوں کی زبوں حالی اور غفلت کوشی اور مرکز گریزی کا ذکر اکثر اوقات نہایت دل سوزی اور قلبی اضطرار کے ساتھ بیان فرمایا کرتے تھے۔ ان کا اصرار تھا بلکہ ان کا مشن تھا کہ مسلمان اپنے آپ کو دنیاوی فنون و کمالات سے

بلند ترین مقامات پر فائز کرنے کے لئے کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی فراموش نہ کی جائے کہ یہ معاشی اور مادی ترقی اور خوشحالی ہی زندگی کا مقصد اور مدعا نہ قرار دیا جائے۔ بصارتِ چشم سے زیادہ بصیرتِ قلب پر فکری اور عملی توجہ مرتکز رہنی چاہیئے۔ بقول علامہ اقبال ؎

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

اس مشینی دور کے انسان کی مادی ترقی اور روحانی یا باطنی تنزل کا حال عجب فکر انگیز ہے۔ سر بفلک، پا بہ گِل۔ سر پُر غرور آسمان کی بلندی سے بھی بلند تر اور پائے ناموس ہلاکت و عدم تحفظ کی دلدل میں دھنسا ہوا۔ ایک بار پھر علامہ اقبال کی طرف رجوع کرنا پڑا۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

ان حوصلہ شکن اور ایمان سوز حالات میں حضور قلندر بابأ کا وجودِ پاک انسانی ہمدردی اور مشفقانہ رُشد و ہدایت کے سرچشمہ کی حیثیت سے قدرت کا گراں قدر اور تشکر و احسان مندی کا متقتضی خزانہ تھا۔ مگر افسوس ہماری اس



بے حسی اور حق گریزی پر کہ ہم اس ذاتِ گرامی کی نورانی ہدایت اور رہنمائی سے اپنے تاریک دلوں کو منور نہ کر سکے۔ اب جب کہ حضور جسمانی طور پر ہم میں موجود نہیں ہیں، ہمارے لئے آپ کی تعلیمات اور ارشادات ہی ایسے ذرائع باقی رہ جاتے ہیں جن سے ہم بقدرِ ذوق و عقیدت استفادہ کر سکتے ہیں۔ اگر تلاشِ حقیقت کی لگن خلوص و نیاز مندی کے ساتھ جاری رہ سکے تو یہ روحانی ذرائع اب بھی رشد و ہدایت کے اس خلا کو کسی حد تک پُر کر سکتے ہیں۔ ان ذرائع میں کتاب "لوح و قلم" کو روشن ترین مینارۂ نور کی حیثیت حاصل ہے۔ وقت کا اہم ترین تقاضا ہے کہ اس نسخۂ رُشد و ہدایت کا بالالتزام اور دلجمعی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے اور اس کے مندرجات کو حرزِ جاں بنا لیا جائے۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ عالمِ روحانیت کے اسرار و رموز کے کتنے روشن دریچے کھل کر آپ کے قلب و رُوح کو لطافت و تازگی بخشتے ہیں اور اس جہانِ سود و زیاں سے گزار کر کس حسین انداز میں آپ کو کیفیات و احساسات کی اُس فضا میں پہنچا دیتے ہیں جہاں نور ہی نور ہے اور جہاں مظاہرِ قدرت کا عین الیقین کے ساتھ مشاہدہ "نظارہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست" کے مصداق آپ کو حیاتِ سرمدی سے ہمکنار کر دے گا۔

"لوح و قلم" کا ابتدائی مسودہ غالباً ۱۹۵۷ء کے دوران حضور قلندر باباؒ نے لکھوانا شروع کیا اور کم و بیش دو سال میں تھوڑا تھوڑا کر کے مکمل ہوا تھا۔ یہ اعزاز و شرف محترم خواجہ شمس الدین عظیمی کو حاصل ہے کہ اس کتاب کی ایک ایک سطر حضور قلندر باباؒ کے ارشادات پر مشتمل بطرزِ املا نویسی تحریر کی گئی ہے۔ راقم الحروف کی درخواست پر خواجہ صاحب نے الہامی ارشادات کی حامل اس کتاب کی ترتیب و تشکیل کا پس منظر

بتایا۔ حضور قلندر بابا اُس دور میں خواجہ صاحب کے موجودہ مکان واقع ناظم آباد میں مقیم تھے۔ عموماً ہر روز شام کے بعد عقیدت مند اور احباب حاضر خدمت ہوکر حضور کے ارشادات اور تعلیمات سے مستفیض ہوتے تھے۔ ان نشستوں میں عالمِ روحانیت کے اسرار و رموز بھی بیان ہوتے تھے اور حاضرین اپنے اپنے مسائل اور مشکلات بھی پیش کرتے تھے۔ جنہیں حضور اسی شفقت و توجہ سے سنتے تھے جس دل جمعی کے ساتھ وہ عالمِ روحانیت کے مضمرات و مقامات اپنے مخصوص انداز میں بیان کیا کرتے تھے۔

ان ہی روزانہ کی نشستوں میں حضور قلندر بابا بعض اوقات عالمِ اسلام کی زبوں حالی اور فکری انتشار پر اپنے احساسات کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ اسلامی ممالک کے زوال کے بعد برِصغیر کے مسلمان مایوس کن حالات کا شکار ہو چکے تھے جبکہ اغیار اپنی علمی اور عملی منتشر قوتوں کو یکجا کر کے اپنے مستقبل کے لئے ترقی اور استحکام کے اسباب فراہم کر رہے تھے۔ مسلمانوں میں جو اس بگڑتی ہوئی صورتِ حال سے متفکر اور پریشان تھے انہوں نے خانقاہوں اور رجعت پسندی میں پناہ تلاش کی اور عملی دنیا سے یکسر کنارہ کش ہو گئے۔ عامۃ الناس افراتفری کا شکار ہوکر مالی اور ذہنی بھنور میں گھر کر کہیں کے نہ رہے۔ رہی سہی کسر جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی ناکامی نے پوری کر دی اس کا سارا خمیازہ مسلمانوں کو بھگتنا پڑا جس کے دُور رس نتائج سے مسلمانانِ ہند عرصۂ دراز تک نہ پنپ سکے۔ اسلام اور اسلام کے نام لیوا ہر جہت سے ابتلا اور آزمائش میں گرفتار رہے۔ یہاں ان تاریخی عوامل کا اعادہ منظور نہیں ہے مگر اس کے باوجود اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ ان درد و کرب کی گھڑیوں میں اگر کہیں بے پناہ تھی تو ان ہی خانقاہوں میں اور اگر کہیں سے ہدایت و رہنمائی کے اسباب



مہیا ہونے کے امکانات تھے تو ان ہی صاحبانِ بصیرت اور دلِ دردمند کے مالک بزرگوں کے سایۂ عاطفت میں تھے۔ مگر یہاں بھی بہت کچھ اصلاح و تنظیم کا فقدان تھا یعنی رُشد و ہدایت کے ذرائع یا تو درینہ روایات تھیں یا علم سینہ۔ تصوف یا رُوحانی علوم کے ماخذ بزرگانِ سلف کے ارشادات ملفوظات کی شکل میں جمع تھے جن کا بیشتر حصہ ارکان و احکام کی تعلیمات پر مبنی تھا۔ ان میں بھی روایات اور سوانحی واقعات نمایاں تھے۔ سال پر سال گزرتے گئے مگر مسلمانوں میں نفوذ کردہ جمود نے کروٹ ہی نہ لی۔ سائنسی علوم اور اُن کے زیرِ اثر مادی ترقی نے جو نئی راہِ عمل کھول دی تھی وہ محض مادی علوم اور مادی ترقی کی راہ تھی۔

اسلام ایک مکمل اور جامع نظامِ حیات ہونے کی بنا پر نہ تو مادی علوم کے لئے سدِّ راہ ہے اور نہ مادی ترقی و فروغ کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ اس کے برخلاف اسلام دنیاوی فروغ اور خوش حالی کو تکمیلِ حیات کا ذریعہ قرار دیتا ہے مگر اس کے ساتھ اس کا یہ بھی تقاضا ہے کہ مسلمان اسلام کا مخلص پیروکار ہونے کا دعویدار ہوکر محض دنیاوی آسائش و آرائش کا دلدادہ ہوکر نہ رہ جائے۔ بلکہ اس کی زندگی کا معتدبہ حصہ باطنی اصلاح و فروغ پر بھی مشتمل ہونا ضروری ہے۔ یہی حقیقی مقصدِ حیات ہے اور اسی کی بنیاد پر کامرانیِ جاوداں کا انحصار ہے۔

حضور قلندر بابا کے پیشِ نظر ایک جامع اور قابلِ عمل مجموعۂ علوم کا کتابی صورت میں یکجا کر کے امتِ مسلمہ کو عالمِ روحانیات کے اسرار و رموز سے روشناس کرانا تھا۔ حضور فرمایا کرتے تھے کہ چودہ سو برس گزر جانے کے بعد بھی روحانی شعبۂ حیات میں ماورائی علوم کے سمجھنے اور اس پر دسترس حاصل کرنے کی غرض سے سلسلہ وار اسباق و ہدایات ایک

جامع شکل میں پیش نہ کئے جاسکے۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ علوم روحانیت کے شیدائیوں اور صفائے قلب و رُوح کے متمنی افراد کے لئے کوئی ایسی کتاب موجود نہیں ہے جس میں تخلیق و تکوینِ کائنات کے اسرار و مقامات کی عام فہم زبان میں نشان دہی کی گئی ہو اور جس کے توسط سے اہلِ عقیدت صحیح روحانی اور ماورائی علوم سے آگاہی حاصل کریں۔ اس راہ کا ہر راہی کچھ دور چل کر تھک ہار کر یا مایوس ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

ان ہی احساسات و جذبات کے تحت حضور قلندر باباؒ نے فیصلہ کیا کہ اہلِ بصیرت اور حقیقت کے متلاشی لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے علومِ روحانیات میں کارفرما اصول و ضوابط کو عام فہم زبان میں کتابی شکل میں پیش کر دیا جائے۔ اس بلند پایہ اور عام ڈگر سے ماورا مقصد کی تکمیل کے لئے اور مجوزہ کتاب کو ضبطِ تحریر میں لانے کے لئے حضور والا کی نگاہِ انتخاب خواجہ صاحب پر پڑی اور یہ طے پایا کہ حضور روزانہ شب کی آخری تہائی میں خواجہ صاحب کو ڈیڑھ دو گھنٹے روزانہ کے ارشادات بطور املا نویسی تحریر کرائیں گے جنہیں خواجہ صاحب ایک ضخیم کاپی یا رجسٹر میں رواں شکل میں جمع کرتے جائیں تا آنکہ ایک مکمل کتاب کا مسودہ تیار ہو جائے۔ چنانچہ اس پروگرام پر بہت جلد باقاعدگی سے عمل شروع ہو گیا۔

اس مقصد کے لئے آخری تہائی حصۂ شب کا انتخاب جتنا معنی خیز ہے اتنا ہی سحر انگیز بھی۔ یہی وہ ساعتیں ہیں جب نسیمِ سحر کے لطیف و جانفزا جھونکے مضبوط اعصاب کو محوِ استراحت رکھنے پر قادر ہوتے ہیں۔ اور یہی وہ متبرک اور فیض آگیں لمحات ہیں جب



مقربانِ الٰہی اور دلِ بیدار و نفسِ مطمئنہ کے مالک گرم و گداز بستروں کو خیرباد کہہ کر خالقِ کائنات سے مصروفِ راز و نیاز ہو جاتے ہیں۔ ان ہی مقدس اور فیض آثار ساعتوں میں ارضی و سماوی امور طے پاتے ہیں جن پر یہ مقربینِ بارگاہ شاہد ہوتے ہیں۔ اور حاملانِ عرش ان کی تائید و تصدیق میں کلماتِ تحسین ادا کرتے ہیں۔ یہ صبح خیزی اور ان لطیف و نرم لمحوں میں خالقِ کائنات کی حمد و ثنا کے ساتھ تخلیقِ کائنات میں تدبّر اور تفکر جیسی لازوال اور بیش بہا نعمتیں اہلِ نصیب ہی کا مقدر ہو سکتی ہیں ؏

یہ رتبۂ بلند ملا جس کے تھا نصیب

ان لطف آگیں ساعتوں میں جو رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں رُوح پرور ترین ساعتیں ہوتی ہیں مقربینِ بارگاہِ ایزدی کا اپنے پہلو بستروں سے علیٰحدہ کر کے یادِ الٰہی میں مصروف ہونا اللہ تعالےٰ کا خاص فضل اور توفیق ہے۔ اس کے صلے میں حاصل ہونے والے انعام و اکرام پر خود قرآنِ کریم بھی گواہ ہے۔

ترجمہ: ان کے پہلو خواب گاہ سے علیٰحدہ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ لوگ اپنے رب کو اُمید سے اور خوف سے پکارتے ہیں (مصروفِ عبادت رہتے ہیں) اور ہمارے عطا کردہ رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔ کسی ذی رُوح کو (مطلق) خبر نہیں ہوتی کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے کیسے کیسے سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانۂ غیب میں موجود ہیں۔ یہ ان لوگوں کے اعمال کا صلہ ہے۔

(سورۃ السجدہ، آیات ۱۶ - ۱۷)

جب تحریر و تذکیر کا پروگرام طے پا گیا تو ٹھیک ساڑھے تین بجے شب حضور قلندر باباؒ اور خواجہ صاحب دیگر محوِ خواب افرادِ خانہ سے علیٰحدہ ہو کر ایک کمرہ میں

یکسوئی اور خاموشی کے عالم میں بیٹھ جاتے تھے۔ حضور قلندر باباؒ اپنے نرم رَو لہجہ میں
سلسلۂ کلام جاری رکھتے تھے۔ اور خواجہ صاحب ہمہ تن گوش ہوکر سر جھکائے کاغذ قلم پر نظر
جمائے لکھتے جاتے تھے۔ جب کسی مقام پر خواجہ صاحب کا ذہن رُک جاتا اور وہ سوالیہ نظر
سے حضور کی طرف دیکھنے لگتے تھے تو حضور اسی دھیمے فہم آموز لہجہ میں وضاحت فرمادیتے
یا نقشہ بناکر عالم تکوین کے مقامات کی نشاندہی کردیتے۔ خواجہ صاحب مطمئن ہوجاتے
اور پھر اس کے بعد ان کا قلم رواں ہوجاتا۔ تقریباً دو گھنٹے کی املا نویسی اور وضاحت و
اشارت کے بعد اس روز (شب) کا حصہ ختم ہوجاتا اور اگلی شب اسی ساعت پر
اور اسی ذہنی و مادی ساز و سامان کے ساتھ پھر نشست ہوتی اور اس نشست کا
متعین حصہ پورا کرلیا جاتا۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی اول شب میں مصروفیت یا دن بھر کے
کام کاج کے سبب نیند کا غلبہ ہوجاتا اور وقت مقررہ پر آنکھ نہ کھلتی تو حضور خود اُن کو
بیدار کردیتے تھے۔ یہ عجیب انکشاف بھی خواجہ صاحب نے کیا کہ دورانِ تحریر ان کو نیند
آجاتی تھی تو حضور آہستگی کے ساتھ ہوشیار کردیتے تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا
کہ کبھی اُن کے ذہن و دماغ پر ایک خُمار کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی اور ان کا قلم رُک
جاتا تھا۔ اور کبھی واقعی تکان کے سبب نیند کا غلبہ ہوجاتا تھا مگر کسی حالت میں بھی اس
الوہیت بداماں پروگرام میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ ہوا اور نہ تقدیم و تاخیر کو روا رکھا گیا۔
کم و بیش دو گھنٹے کی طولانی نشست میں موسم کی گرم و سرد ستم ظریفی بھی کبھی آڑے
نہ آئی۔ خواجہ صاحب جب ان رُوح پرور اور دل کشا لمحوں کو یاد کرتے ہیں تو ان پر کیف و
سرور کا لہر چھا جاتی ہے۔ کہتے ہیں تقریباً دو سال تک پھیلے ہوئے طویل لمحات



اتنی تیزی سے بیت گئے کہ گویا ایک ہی نشست تھی جو پلک جھپکتے برخاست ہوگئی۔
خواجہ صاحب بجا طور پر اس سعادت و خدمت پر ناز کرتے ہیں کہ "لوح و قلم" کا
ایک ایک لفظ ان کے قلم سے ضبطِ تحریر میں آیا ہے۔ بات صرف اتنی نہ تھی کہ حضور
قلندر باباؒ اپنی زبانِ فیض بار سے ارشاد فرماتے تھے اور خواجہ صاحب ان کے
ارشادات کو لکھتے جاتے تھے اور افہام و تفہیم کا سوال نہ تھا۔ یہ نہیں، بلکہ حضور جو
نکتہ بھی بیان فرماتے اس کی تشریح و وضاحت مثال اور جدول کے ذریعے بھی
کرتے جاتے تھے جس میں ملاءِ اعلیٰ کے مقاماتِ تجلیات و انوار کا محلِ وقوع اور
ان کے توسط سے دنیائے زیریں پر مرتب ہونے والے آثار و تاثرات بھی واضح
کردیتے تھے۔ اس طرح خواجہ صاحب کے لوحِ ذہن پر لوحِ محفوظ اور مقاماتِ سماوی
کا خاکہ اب تک موجود ہے۔ یہ وہ خصوصی فیض و کرم ہے جس سے خواجہ صاحب نوازے
گئے ہیں۔ اور وہ تشکر و احسان مندی کا جس قدر اظہار کریں کم ہے۔
جب کتاب مکمل ہوگئی اور اس پر نظرِ ثانی فرماکر حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے
اس میں ضروری تصحیح و ترمیم بھی کردی تو اس کی طباعت کا مسئلہ درمیان آیا۔ فیصلہ کیا گیا
کہ مالی اور طباعتی مشکلات کے پیشِ نظر اس کتاب "لوح و قلم" کی طباعت و اشاعت کا
مسئلہ سر دست ملتوی رکھا جائے اور فوری طور پر اس تصحیح شدہ مسودہ کی مزید نقلیں
اردو ٹائپ رائٹر پر تیار کرکے متوسلین اور معتقدین کے پاس محفوظ رکھ دی جائیں تاکہ اس
نادر و نایاب نسخہ کے گم یا ضائع ہوجانے کا احتمال بھی نہ رہے اور مزید نقلوں کے ذریعے
اس کا حلقۂ مطالعہ و ارادت کسی قدر وسیع ہوجائے۔ اور بوقتِ ضرورت ان نقلوں
سے سند کا کام بھی لیا جائے۔

اس طرح کائنات کی تخلیق و تکوین کے اسرار و رموز پر مشتمل یہ معرکۃ الآرا تصنیف حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے ذہنِ الوہیت رسا کے توسل سے معرضِ وجود میں آگئی۔ جیسا کہ خود حضور فرمایا کرتے تھے رُوحانی دنیا کے علوم و کوائف پر مشتمل یہ پہلی مربوط و مبسوط تصنیف ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں پیش کردہ رموز و حقائق انتہائی سادہ اور ذہن نشیں پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں حالانکہ تخلیقِ کائنات میں کارفرما عوامل اتنے دقیق اور وسیع ہیں کہ عام انسانی ذہن اس کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ مگر حضور کے طرزِ بیان میں پوشیدہ سلاست و سادگی کا یہ اعجاز ہے کہ ایک متجسس اور مخلص قاری کا ذہن کہیں کسی مقام پر نہیں رُکتا (البتہ یہ ضرور ہے کہ اس کے مندرجات کو مستقل طور پر ذہن نشیں کرنے اور اس کی جزئیات اور تفصیل پر عبور حاصل کرنے کے لئے تائیدِ ربّی اور مرشدِ کامل کا تقرب ضروری ہے۔ یہ علیحدہ بحث ہے اور اس پر اہلِ بصیرت ہی اظہارِ خیال کرسکتے ہیں)۔ اگر نثر میں سہلِ ممتنع کی اصطلاح کا استعمال بارِ خاطر نہ ہو تو اس مختصر مگر جامع تصنیف کو اس صنعتِ کلام کا شاہکار قرار دے سکتے ہیں۔

زبان تسنیم و کوثر میں دُھلی ہوئی اور روزمرہ کی چاشنی لئے ہوئے چشمۂ رواں کے پانی کی طرح لطیف و ہموار، دل و دماغ کو فرحت و تازگی بخشنے والا۔ مندرجات و مشتملات کے سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہو مگر جب آپ اس میں پیش کردہ اسرار و رموز کی گرہ کشائی کرنا چاہیں تو رُوح و قلب اضطراری کیفیت کا شکار ہوجائیں کہ کاش کسی شارحِ اسرارِ الٰہی کی دستگیری میسّر ہو کہ اس خوش نما سیپ میں بند گوہرِ نایاب کی جھلک ہی دکھائی دے جاتی۔ اگر آپ اس رُوحانی تصنیف سے ادبی شاہکار کی



حیثیت میں محض عقل و ذہن سے کام لینا چاہیں گے تو آپ کو کوئی دقت محسوس نہ ہوگی بلکہ آپ اس کے طرزِ بیان اور اندازِ تشریح و توضیح کی جاذبیت سے متاثر ہوکر عش عش کہہ اٹھیں گے مگر جب آپ اسرارِ کائنات کے بحرِ ناپیداکنار میں غوطہ زنی کا ارادہ کریں گے تو قدمِ اوّل ہی میں دَم گھٹنے لگے گا۔

بات واضح ہے کہ علومِ عالمِ روحانی کی یہ تصنیف ذہن و دماغ سے رُوحِ بیدار اور قلبِ مضطرب کی کاوشوں کی متقاضی ہے۔ یہاں سہل انگاری اور تغافلِ عارفانہ کی نہیں بلکہ اس تڑپ اور جہدِ مسلسل کی ضرورت ہے جس کا صلہ جادۂ منزل کی نشان دہی یعنی ہدایت ربّانی ہے اور جس انوید قرآنِ کریم میں دی گئی ہے۔

"جو لوگ ہماری راہ میں (مستقل مزاجی کے ساتھ) جدوجہد کریں گے ہم ان پر اپنی ذات کی معرفت (ہدایت) کی راہیں کھول دیں گے۔"

حضور قلندر باباؒ اس کتاب "لوح و قلم" کی نسبت غیرمُبہم انداز میں فرماتے تھے کہ جو شخص کھلے اور بے لوث ذہن و قلب کے ساتھ خدارسائی کی پرخلوص نیت سے اس کتاب کا مطالعہ جاری رکھے گا تو اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے ایسے غیبی اسباب پیدا کردے گا جن کے طفیل اس کا دل حاجاتِ دنیوی سے مستغنی اور اس کی رُوح کشف و شہود کی روحانی دولت سے مالامال ہوجائے گی۔

ما در پیالہ عکسِ رُخِ یار دیدہ ایم
اے بے خبر ز لذّتِ شربِ دوامِ ما

تحریر : پروفیسر شیخ فقیر محمد

# رباعیات

ختمی مرتبت، سرورِ کائنات، فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ نظر، حاملِ علمِ لدنّی، پیشوائے سلسلۂ عظیمیہ، ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ بابرکات نوعِ انسان کے لئے علوم و عرفان کا ایک ایسا خزانہ ہے کہ جب ہم تفکر کرتے ہیں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جہاں آپ کو تخلیقی فارمولوں اور اسرار و رموز کے علوم سے منوّر کیا ہے وہاں علومِ ادب اور شعر و سخن[1] سے بھی بہرہ ور کیا ہے۔ اس طرح حضور باباجیؒ کے رُخِ جمال کے دونوں پہلو روشن اور منوّر ہیں۔

لوح و قلم اور رباعیات جیسی فصیح و بلیغ تحریریں اس بات کا زندہ جاوید ثبوت ہیں کہ حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی ذاتِ گرامی سے شرابِ عرفانی کا ایک ایسا چشمہ پھوٹ نکلا ہے جس سے رہروانِ سلوک نشۂ توحیدی میں مست و بےخود ہونے کے لئے ہمیشہ سرشار ہوتے رہیں گے۔

حضور باباصاحبؒ نے اپنی رباعیات میں بیشتر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے کہیں بنی نوعِ انسانی کی فطرت اور حقیقی طرزِ فکر کو اجاگر کیا ہے، کہیں مٹی کے ذرّے کی حقیقت اور فنا و بقا پر روشنی ڈالی ہے۔ کہیں پروردگار کی شان و عظمت کا ذکر ہے۔ کہیں فطرتِ آدم کی شرابِ وحدت میں مست و بےخودی کا ذکر ہے۔ کہیں

---

[1] ظاہر و باطن



عالمِ ملکوت و جبروت کا تذکرہ ہے۔ کہیں کہکشانی نظام اور سیّاروں کا ذکر ہے کہیں فطرتِ آدم کی مستی و قلندری اور گمراہی پر روشنی ڈالی ہے۔ کہیں اس فانی دنیا کی فانی زندگی کو عبرت کا مرقّع ٹھہرایا ہے۔ کہیں فرمانِ الٰہی اور فرمانِ رسولؐ پیش کر کے تصوّف کے پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے۔ کہیں عارف کے بارے میں فرمایا ہے کہ عارف وہ ہے جو شرابِ معرفت کی لذتوں سے بہرہ ور ہوا اور اللہ تعالےٰ کی مشیّت پر راضی برضا ہو۔ غرضیکہ رباعیات عظیم علم و عرفان کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے۔

ذیل میں میکدۂ عظیمیہ سے شرابِ عرفانی[1] کے چند قطرے[2] تشنگانِ شرابِ معرفت کے لئے پیشِ خدمت ہیں۔ اس طرح وہ ہر ایک رُباعی کو ساغر سمجھ کر پے در پے نوش فرماتے ہوئے نشۂ توحیدی میں مست و بےخود ہو کر سرورِ عرفانی سے لطف اندوز ہو سکیں گے۔

۱

محرم نہیں راز کا وگرنہ کہتا
اچھا تھا کہ اک ذرّہ ہی آدم رہتا
ذرّہ سے چلا، چل کر اجل تک پہنچا
مٹی کی جفائیں یہ کہاں تک سہتا

آدمی قدرت کے راز، وجہِ تخلیق اور تمام باتوں سے محض نابلد ہے۔ زمین کا ہر ذرّہ آدم کی تصویر کا عکس ہے۔ لیکن یہی ایک ذرّہ جب متشکل اور مجسّم ہو جاتا ہے

---

[1] رباعیات [2] اقتباسات

تو فنا کا سفر شروع ہو جاتا ہے۔ آدمی مٹی میں دفن ہو کر پھر مٹی بن جاتا ہے۔ مٹی کے ذرّات بوقلمونی کے ساتھ پھر متشکل اور مجسّم ہو جاتے ہیں اور پھر فنا کے راستے پر چل کر مٹی میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ تحلیل نفسی کے اس مسلسل اور متواتر عمل سے آدمی کے اندر مٹی کی جفائیں برداشت کرنے کی سکت پیدا ہوتی ہے۔ دنیا کی نشو و نما کا یہ قانون تخلیقی فارمولوں کا راز بن کر جاری و ساری ہے۔

۲

اک نقطہ تھا، اک نقطے سے افسانہ ہوا
اک شہر تھا، اک شہر سے ویرانہ ہوا
گردوں نے ہزار عکس ڈالے ہیں عظیمؔ
میں خاک ہوا، خاک سے پیمانہ ہوا

اللہ تعالےٰ کی عظمت کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ ایک نقطہ میں ساری کائنات کو سمو دیا ہے۔ اس نقطہ میں اربوں، کھربوں بلکہ ان گنت عالم بند ہیں۔ یہ نقطہ جب عکس ریز ہو جاتا ہے تو کہیں عالمِ ملکوت و جبروت آباد ہو جاتے ہیں اور کہیں کہکشانی نظام اور سیارے مظہر بن جاتے ہیں۔ کتنا سربستہ راز ہے یہ کہ نقطہ ہر آن اور ہر لمحہ نئی صورت میں جلوہ فگن ہو رہا ہے۔ اس ایک ہی نقطہ کی ضیا پاشیوں کو کبھی ہم بقا کہتے ہیں اور کبھی فنا کا نام دے دیتے ہیں۔

اے عظیمؔ! اس کی عظمت کی کوئی انتہا نہیں کہ اس نے "کن" کہہ کر ایک ذرّہ بے مقدار پر اتنے عکس ڈال دیئے ہیں کہ میں پیمانہ بن گیا ہوں، ایسا پیمانہ جس کے ذریعے دوسرے ذرّات (مخلوق) وہ نشہ اور شگفتگی حاصل کر سکتے ہیں جس سے پیمانہ خود سرشار



اور وحدت کی شراب میں مست و بے خود ہے۔

۳

معلوم نہیں کہاں سے آنا ہے مرا
معلوم نہیں کہاں پہ جانا ہے مرا
یہ علم کہ کچھ علم نہیں ہے مجھ کو
کیا علم کہ کھونا ہے کہ پانا ہے مرا

یہ نہیں معلوم کہ کہاں سے آیا ہوں اور نہ ہی یہ معلوم ہے کہ منزل کہاں ہے۔ ایسا علم جس کو نہ تو کھو جانے کا علم ہو اور نہ ہی کچھ پا لینے کا علم ہو، علم نہیں ہے۔ اپنی بے بضاعتی اور کم مائگی کا یہ حال ہے تو ہم حقیقت کے سمندر میں کس طرح غوطہ زن ہو سکتے ہیں۔ حقیقی علم جاننے کے لئے ضروری ہے کہ ہم یہ جانتے ہوں کہ ہمیں کس نے پیدا کیا ہے۔ اس دنیا میں پیدائش سے پہلے ہم کہاں تھے اور مرنے کے بعد کون سے عالم میں چلے جاتے ہیں اور اُس عالم میں زندگی کن طرزوں پر قائم ہے؟

۴

مٹی میں ہے دفن آدمی مٹی کا
پتلا ہے وہ اک پیالہ بھری مٹی کا
میخوار پیئیں گے جس پیالے میں شراب
وہ پیالہ بنے گا کل اسی مٹی کا

خدا نے آدم کو مٹی سے بنایا ہے تو ہر آدمی بھی مٹی سے بنا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم اسے مٹی میں ہی دفن کر دیتے ہیں۔ یہ ایک حسین مورتی جس کے حُسن پر سب لوگ

جان دیتے ہیں اور والہ وشیدا بنے رہتے ہیں وہ اصل میں مٹی کے ذرات سے مرکب ہے۔ محبت کی شراب پینے والے جس پیالہ میں شراب پئیں گے وہ پیالہ پھر اسی مٹی سے بنا دیا جائے گا۔ یعنی قدرت کی کرشمہ سازی بھی کیا خوب ہے کہ ایک ہی مٹی سے مختلف شکلیں بناتی رہتی ہے۔ اور پھر اسی میں ملا کر مٹا دیتی ہے اور پھر بنا دیتی ہے تخلیق کے اس عمل میں ان لوگوں کے لئے واضح نشانیاں ہیں جو فی الواقع اللہ تعالےٰ کو جاننا اور پہچاننا چاہتے ہیں۔

۵

نہروں کو مئے ناب کی ویراں چھوڑا
پھولوں میں پرندوں کو غزل خواں چھوڑا
افتادِ طبیعت تھی عجب آدم کی
کچھ بس نہ چلا تو باغِ رضواں چھوڑا

اس آدم یا آدم زاد کی صفات نہ پوچھئے۔ اس نے چمک دمک رکھنے والی شراب کی نہروں کو جنت میں ویران چھوڑ دیا۔ قسم قسم کے پھولوں اور باغوں میں جو پرندے چہچہا رہے تھے، ان کی گنگناہٹ کو بھی خیر باد کہہ آیا۔ اس آدم کی طبیعت میں اللہ تعالےٰ نے کچھ ایسی خوبی رکھی ہے کہ کسی ایک بات یا ایک چیز پر قانع نہیں رہتا۔ اس کا جنت میں رہتے رہتے جب جی گھبرانے لگا تو اُسے چھوڑ کر بھاگ آیا۔ اس کے مزاج میں مظاہر کائنات میں کام کرنے والی ہر آن اور ہر لحہ تغیر و تبدل کی صفت (حرکت) موجود ہے۔

۶



اک جرعۂ مئے ناب ہے ہر دم میرا
اک جرعۂ مئے ناب ہے عالم میرا
مستی و قلندری و گمراہی کیا
اک جرعۂ مئے ناب ہے محرم میرا

بندہ کہتا ہے کہ میرا ہر سانس خالص شراب کے ایک گھونٹ کی مانند ہے اور زیادہ گہرائی میں سوچوں تو میری ساری دنیا ہی خالص شراب کا ایک گھونٹ نظر آنے لگتی ہے۔ جب میری حد اور حدود ایسی ہوں تو میری مستی و قلندری یا گمراہی کا وجود نا وجود بن جاتا ہے۔ شراب کا یہی ایک گھونٹ میری زندگی میں پنہاں اسرار کو میرے اوپر منکشف کرتا ہے چاہے اُسے مستی و قلندری میں گزار لوں اور چاہے تو اسے گمراہی میں ضائع کر دوں۔

۷

جس وقت کہ تن جاں سے جدا ٹھیریگا
دو گز ہی زمین میں تو جا ٹھیریگا
دو چار ہی روز میں تو ہوگا غائب
آکر کوئی اور اس جگہ بیٹھیگا

جب قدرت کے حکم سے اس بدن سے رُوح کو الگ کر دیا جائے گا تو اس بدن کا ٹھکانا صرف دو گز زمین کا ٹکڑا ہو گا (وہ بھی اس کے لئے جسے میسر آجائے) اور دو چار دن گزر جانے کے بعد تو دنیا سے بالکل ہی غائب ہو کر رہ جائے گا اور پھر تیری جگہ کسی اور کو دفن کر دیا جائے گا۔ دیکھ لے اے بندے! تیری زندگی،

تیرا وجود، تیری حقیقت کتنی فانی ہے۔ اس دنیا میں سب کے لیے چل چلاؤ اور ختم نہ ہونے والا ایک سلسلہ قائم ہے۔ فانی دنیا کی یہ فانی زندگی، عبرت کا مرقع ہے۔

۸

اک آن کی دُنیا ہے فریبی دُنیا
اک آن میں ہے قید یہ ساری دُنیا
اک آن ہی عاریت ملی ہے تجھ کو
یہ بھی جو گزر گئی ، تو گزری دُنیا

اس آدم کو دھوکہ دینے والی اور دھوکہ میں رکھنے والی دُنیا محض ایک لمحہ ہے یہ ساری دنیا ایک لمحہ کی زندگی میں قید ہے اور اس ایک لمحاتی دنیا کے اصول کے مطابق اس آدم، اس بشر، اس آدمی، اس بندہ کو محض ایک گھڑی مستعار ملی ہے۔ اگر یہ زندگی بے کار محض باتوں میں گزر گئی تو ساری دنیا ہی گزر گئی۔ ہم نہ پیدا ہوئے، نہ جئے، نہ اُٹھے، نہ بیٹھے، نہ کچھ کیا، نہ کچھ سمجھا۔ گویا ایسے آئے کہ آئے ہی نہ تھے۔ اس لئے اے بندے! جب تو اس دنیا میں آیا ہے تو کچھ کر گزر تاکہ قدرت نے تجھے جس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے تو اس کو پورا کر دے ورنہ پچھتانا ہی پچھتانا مقدر بن جائے گا۔

۹

دنیائے طلسمات ہے ساری دنیا
کیا کہئے کہ ہے کیا یہ ہماری دنیا
مٹی کا کھلونا ہے ہماری تخلیق
مٹی کا کھلونا ہے یہ ساری دنیا



یہ بھری پُری دنیا ایک قسم کا طلسم کدہ ہے۔ اس میں ایسا جادو موجود ہے کہ اس کو سمجھنا تولہ ماشہ تولنے والی عقل کے بس کی بات نہیں۔ غور کیا جائے تو ساری دنیا مٹی کا ایک کھلونا ہے جس کا مقدر بالآخر ٹوٹ کر بکھر جانا ہے۔

۱۰

اک جُرعہ مئے ناب ہے کیا پائے گا
اتنی سی کمی سے کیا فرق آئے گا
ساقی مجھے اب مفت پلا کیا معلوم
یہ سانس جو آگیا ہے پھر آئے گا

پابند زندگی کی حقیقت شراب کے ایک گھونٹ کی ہے۔ مل گیا تو اور نہ بھی ملا تو کیا فرق پڑتا ہے۔ مجھے تو معرفت کی وہ شراب چاہئے جس کا ایک گھونٹ ٹائم اسپیس کی قید و بند سے آزاد کر دیتا ہے۔

۱۱

تا چند کلیسا و کنشت و محراب
تا چند یہ واعظ کے جہنم کا عذاب
اے کاش جہاں پہ روشن ہوتی
استادِ ازل نے کل جو لکھی تھی کتاب

گرجا گھر، آتشکدہ اور مسجد کا وجود یا ان میں اور ان کے ماننے والوں میں اختلاف اور واعظ کے وعظ میں دوزخ کے عذاب سے ڈرانے کا عمل آخر کب تک جاری رہے گا۔ اے کاش! ان لوگوں پر قدرت کے وہ راز کھل جاتے جو

اللہ تعالےٰ نے اپنے خاص بندوں کو بتا دیئے ہیں، ایسے بندے جن کو نہ کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔

۱۲

ماتھے پہ عیاں تھی روشنی کی محراب
رخسار ولب جن کے تھے گوہر نایاب
مٹی نے انہیں بدل دیا مٹی میں
کتنے ہوئے دفن آفتاب و مہتاب

جن لوگوں کی پیشانی روشن تھی اور ماتھے پر سجدوں کا نشان تھا اور ان کے چہرے چمک دمک سے معمور تھے۔ جب انہیں مٹی میں دفن کیا گیا تو مٹی نے انہیں بھی مٹی ہی بنا دیا۔ کیسے کیسے چاند اور سورج اس زمین میں دفن ہو چکے ہیں۔ ہم ان کا شمار بھی نہیں کر سکتے۔ چند دنوں کی اس عارضی دنیا میں آدمی کبر و نخوت کی تصویر بنا پھرتا ہے۔ بالآخر اسے بھی موت مٹی کے ذرّوں میں تبدیل کر دے گی اور مٹی کے یہ ذرّے پیروں میں روندے جائیں گے۔

۱۳

جو شاہ کئی ملک سے لیتے تھے خراج
معلوم نہیں کہاں ہیں ان کے سر و تاج
البتہ یہ افواہ ہے عالم میں عظیم
ابتک ہیں غبارِ زرد ان کی افواج

سکندر و دارا، شدّاد و نمرود، فراعین اور بڑے بڑے بادشاہ جن کی



ہیبت و بربریت کا یہ عالم تھا کہ لوگ ان کے نام سے لرزتے تھے، وہ جو بڑی بڑی ریاستوں اور مملکتوں کے تاجدار تھے، عوام سے خراج وصول کرتے تھے، خود کو آقا اور اللہ کی مخلوق کو غلام سمجھتے تھے معلوم نہیں کہ وہ خود اور ان کے تاج کہاں ہیں ——؟ ان کو اور ان کی افواج کو جو آندھی طوفان بنکر دنیا کے لئے مصیبت بن گئی تھیں مٹی نے نگل لیا۔ یہ بڑے بڑے محلات اور کھنڈرات جو آج اپنی بے بضاعتی پر آنسو بہا رہے ہیں بالآخر ان کا نام و نشان بھی صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔

۱۴

کُل عُمر گزر گئی زمیں پر ناشاد
افلاک نے ہر سانس کیا ہے برباد
شاید کہ وہاں خوشی میسّر ہو عظیم
ہے زیرِ زمیں بھی ایک دنیا آباد

ہماری اس رنگ و بُو کی دنیا کی طرح ایک اور دنیا بھی ہے جو مرنے کے بعد ہمارے اوپر روشن ہوتی ہے۔ ہم کتنے بدنصیب ہیں کہ ہم نے کبھی اس نادیدہ دنیا کی طرف سفر نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "مرجاؤ مرنے سے پہلے" پر عمل کر کے اگر ہم اُس دنیا سے روشناسی حاصل کر لیں تو اس بات کی توقع کی جاسکتی ہے کہ ناشاد و نامراد زندگی کو مسرّت و شادمانی میسّر آجائے۔

۱۵

ہر ذرّہ ہے اک خاص نمو کا پابند
سبزہ کہ صنوبر ہو کہ ہو سروِ بلند
انسان کی مٹی کے ہر اک ذرّہ سے
جب ملتا ہے موقع تو نکلتے ہیں پرند

اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے کہ ہم نے معیّن مقداروں سے تخلیق کی ہے۔ ہر تخلیق میں معیّن مقداریں کام کر رہی ہیں جو ہر نوع کو دوسری نوع سے اور ہر فرد کو دوسرے فرد سے ممتاز کر دیتی ہیں۔ مٹی کے ذرّات ایک ہی ہیں لیکن ان ذرّات کی مقداروں میں ردّ و بدل سے طرح طرح کی تخلیق وجود میں آرہی ہے۔ مٹی کے یہ ذرّات کہیں سرو و سمن، کہیں کوہ و دمن اور کہیں خوش الحان پرند بن جاتے ہیں اور جب بظاہر مٹی کے یہ بے جان ذرّات کی زندگی کو اپناتے ہیں تو رنگ رنگ کائنات میں بکھر جاتے ہیں اور ان ہی رنگوں سے جیتی جاگتی ایک دنیا عالمِ وجود میں آجاتی ہے۔

(۱۶)

آدم کو بنایا ہے لکیروں میں بند
آدم ہے اسی قید کے اندر خورسند
واضح رہے جس دم یہ لکیریں ٹوٹیں
روکے گی نہ اک دم اُسے مٹی کی کمند

یہاں ہر چیز لہروں کے دوش پر رواں دواں ہے۔ یہ لہریں (لکیریں) جہاں زندگی کو خوش آرام بناتی ہیں، مصیبت و ابتلا میں بھی مبتلا کر دیتی ہیں۔ نور کے قلم سے نکلی ہوئی ہر لکیر نور ہے اور نور جب مظہر بنتا ہے تو روشنی بن جاتا ہے۔ روشنی کم ہو جائے



تو اندھیرا ہو جاتا ہے۔ آدم نے اس اندھیری دنیا میں قید ہونے کو سب کچھ سمجھ لیا ہے۔ وہ اس بات پر خوش ہے کہ اسے روشنی کے سمندر میں سے چند روشن قطرے مل جائیں

۱۷

ساقی ترے میکدے میں اتنی بیداد
روزوں میں ہوا سارا مہینہ برباد
اس باب میں ہے پیرِ مغاں کا ارشاد
گر بادہ نہ ہاتھ آئے تو آتی ہے یاد

اے خدا! تیرے میکدے میں یہ کیسی بیداد ہے کہ سارے مہینے روزے رکھنے کے بعد بھی ہمیں معرفت کی شراب نہیں ملی جب کہ خود تیرا فرمان ہے کہ روزے کی جزا میں خود ہوں۔ جب اس مہینے میں بھی تیرا دیدار نصیب نہیں ہوا تو سارے سال مصیبتوں کی آندھیاں میرا مقدر بن جائیں گی۔

۱۸

اس بات پہ سب غور کریں گے شاید
آہیں بھی وہ دو چار بھریں گے شاید
ہے ایک ہی بات اس میں پانی ہو کہ مئے
ہم ٹوٹ کے ساغر ہی بنیں گے شاید

پانی اور مئے کوئی الگ الگ چیز نہیں ہے۔ پانی ہو یا شراب دونوں ایک ہی فارمولے کے تحت وجود میں آتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پانی میں تخلیقی فارمولے براہِ راست کام کر رہے ہیں اور شراب براہِ راست تخلیقی فارمولوں میں کچھ ردّ و بدل

کے ساتھ بنتی ہے۔ شراب کے نام پر لوگ جھگڑتے ہیں۔ آخر وہ کیوں ان رموز و نکات پر غور نہیں کرتے۔ شراب بھی مٹی ہے، ساغر بھی مٹی ہے، ہم خود مٹی ہیں۔ ہم ٹوٹ کر بکھر جائیں گے تو ہماری مٹی سے پھر ساغر بن جائے گا۔ کیوں کہ تخلیق کا عمل جاری وساری ہے۔

۱۹

یہ بات مگر بھول گیا ہے ساغر
انسان کی مٹی سے بنا ہے ساغر
سو بار بنا ہے بن کے ٹوٹا ہے عظیم
کتنی ہی شکستوں کی صدا ہے ساغر

مورتیں، ہمیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں — اے آدم زاد! تو کیوں خود فراموشی کے جال میں گرفتار ہے؟ یہ سب مٹی ہے جو ٹوٹ کر، بکھر کر، ریزہ ریزہ ہو کر نئے نئے روپ میں جلوہ گر ہو رہی ہے۔ تو کیوں مٹی کے سامنے شکست خوردہ نہیں ہو جاتا۔ اس شکست میں تیرے لئے سعادت ہے کہ تو کبر و نخوت سے بچ جائے گا۔

۲۰

اچھی ہے بری ہے دہر فریاد نہ کر
جو کچھ کہ گزر گیا اُسے یاد نہ کر
دو چار نفس عمر ملی ہے تجھ کو
دو چار نفس عمر کو برباد نہ کر

دنیا کی ہر چیز ایک ڈگر پر چل رہی ہے۔ نہ یہاں کوئی چیز اچھی ہے نہ بری ہے۔ ایک بات جو کسی کے لئے خوشی کا باعث ہے، وہی دوسرے کے لئے پریشانی



اور اضمحلال کا سبب بن جاتی ہے۔ یہ دنیا معانی اور مفہوم کی دنیا ہے۔ جو جیسے معانی پہنا دیتا ہے اس کے اوپر ویسے اثرات مرتب ہو جاتے ہیں۔ پھر کیوں دنیا کے جھمیلوں میں پڑ کر وقت کو برباد کیا جائے۔ یہ جو دو چار سانس کی زندگی ہے اسے ضائع نہ کر۔ ہر بات کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے سمجھ۔ پروردگارِ عالم فرماتا ہے — اور وہ لوگ جو راسخ فی العلم ہیں کہتے ہیں کہ ہر چیز ہمارے رب کی طرف سے ہے۔

۲۱

ساقی! ترا مخمور پیئے گا سو بار
گردش میں ہے ساغر تو رہے گا سو بار
سو بار جو ٹوٹے تو مجھے کیا غم ہے!
ساغر مری مٹی سے بنے گا سو بار

میں اس بات کا غم کیوں کروں کہ ساغر ٹوٹ گیا ہے۔ یہ پیالہ میری ہی ذات سے بنا ہے اور میرا وجود بھی ان ذرّوں سے بنا ہے۔ مجھے مرنے کا کوئی غم نہیں ہے کیونکہ میری روشنیوں سے جو ساغر بن گیا ہے وہ سو بار بھی ٹوٹے تو پھر بن جائے گا اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا۔

(۲۲)

کل روزِ ازل یہی تھی میری تقدیر
ممکن ہو تو پڑھ آج جبیں کی تحریر
معذور سمجھ واعظِ ناداں مجھ کو
ہیں بادہ و جام سب مشیت کی لکیر

اے واعظ! میں جس آقا کا غلام ہوں، ان کا ارشاد ہے ـــــ قلم لکھ کر خشک ہوگیا۔ آج میری پیشانی پر زندگی کی جو فلم رقصاں ہے وہ میری پیدائش سے پہلے ہی ازل میں بن گئی تھی اور یہی میری تقدیر ہے۔ اے واعظ! تیرے وعظ و نصیحت کا میرے اوپر کیا اثر ہوگا۔ تو خود ازل کی لکھی ہوئی تحریر ہے۔ یہ سب بادہ و جام کی باتیں بھی ازل میں ہی لکھی جا چکی ہیں۔ یہ شراب (زندگی) اور یہ جام (خاکی لباس سے مزین بدن) قدرت کی ایسی لکیر ہے جسے کوئی بھی نہیں بدل سکتا۔ اے واعظ! یہ سعادت ہمیشہ سعادت مندوں کو میسر آتی ہے۔ ازلی شقی اس کے قرب سے بھی محروم رہتے ہیں۔ بالآخر ایک وقت آئے گا کہ یہ لکیریں (لہریں) منتشر ہوجائیں گی۔ گراویٹی ( GRAVITY ) دائرہ کار ختم ہوجائے گی اور آدمی کا جسم تحلیل ہوجائے گا۔

(۲۳)

ساقی ترے قدموں میں گزرنی ہے عمر
پینے کے سوا کیا مجھے کرنی ہے عمر
پانی کی طرح آج پلا دے بادہ
پانی کی طرح کل تو بکھرنی ہے عمر

حضور قلندر بابا اولیاءؒ اس رُباعی میں فرماتے ہیں کہ عارفوں کے نزدیک زندگی کا مقصد صرف شرابِ معرفت کی لذتوں سے بہرہ ور ہونا ہے یا ساقیِ حقیقی (خالقِ کائنات) کی مشیت پر عمل درآمد کرنا ہے۔ اس کا اللہ تعالےٰ سے یہی مطالبہ ہے کہ اُسے معرفت کا اعلیٰ درجہ عطا فرمایا جائے۔ اور اللہ تعالےٰ کی



مشیت پر راضی برضا رہنے اور عمل درآمد کرنے کی توفیق عطا فرمائی جائے۔ زندگی کے محدود عرصے میں اگر اس مقصد کی تکمیل نہ ہوسکی تو سب کچھ رائگاں جائے گا۔ اور زندگی جو لمحہ بہ لمحہ ترتیب سے وقوع پذیر ہورہی ہے پانی کی طرح بکھر جائے گی۔ اور اُسے کسی طرح سمیٹا نہ جاسکے گا۔

(۲۴)

آدم کا کوئی نقش نہیں ہے بے کار
اس خاک کی تخلیق میں جلوے ہیں ہزار
دستہ جو ہے کوزہ کو اُٹھانے کے لئے
یہ ساعدِ سیمیں سے بناتا ہے کمہار

آدم کی تخلیق میں اللہ تعالےٰ نے رنگا رنگ روشنیاں بھر دی ہیں۔ اس خاک کی تخلیق میں اللہ تعالےٰ کی صناعی کے ہزاروں جلوے پنہاں ہیں۔ بظاہر یہ تخلیق مٹی (ریت) کی نسبت کی زبان میں مٹی کا مطلب صرف مٹی نہیں بلکہ یہ ایک ایسا مظہر ہے جس میں تخلیقی فارمولے برسرِ عمل ہیں اور ردّ و بدل ہو کر مختلف تخلیقات کا روپ اختیار کرتے ہیں) سے مرکب نظر آتی ہے لیکن اس کے پسِ پردہ جو روشنیاں اور فارمولے کام کر رہے ہیں وہ احسنِ تقویم کا مظہر ہیں۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ آدم اپنے آپ سے بے خبر ہے۔ وہ خود کو نہیں جانتا۔ اگر وہ خود کو جان لے اور دیکھ لے تو اللہ تعالےٰ کی صفتِ ربّانیت کو پہچاننا بالکل آسان ہے۔ اس لئے کہ اس کی تخلیق صفتِ ربّانیت کا مظہر ہے۔ یہ رُباعی حضور اکرمؐ کے فرمان مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کی تشریح ہے۔

(۲۵)

حق یہ ہے کہ بیخودی خودی سے بہتر
حق یہ ہے کہ موت زندگی سے بہتر
البتہ عدم کے راز ہیں سربستہ
لیکن یہ کمی ہے ہر کمی سے بہتر

دنیا میں ہر وقت اللہ کے ایسے بندے موجود رہتے ہیں جو شہود اور باطنی نعمتوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔ جب وہ دنیا میں اکثریت کے طرزِ عمل کا تجزیہ کرتے ہیں تو انہیں یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ لوگ چند روزہ زندگی کو اصل زندگی سمجھے ہوئے ہیں۔ لیکن جلد ہی اس کی وجہ بھی ان کی نظر میں آجاتی ہے۔ اور وہ حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی طرح پکار اٹھتے ہیں :

سچ تو یہ ہے کہ بے خودی خودی سے اور موت زندگی سے اعلیٰ تر ہے لیکن دنیا کے باسیوں پر عدم کا یہ راز روشن نہیں ہے کہ اصل زندگی وہی ہے جو مرنے کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اس راز کا پوشیدہ ہونا ہی دنیا میں آدم کی دلچسپی قائم رکھنے کا سبب ہے۔ اگر ہر شخص پر دنیا کی بے ثباتی روشن ہو جائے تو عارضی زندگی اور دنیا سے کون جی لگائے۔ یہ اخفا اللہ تعالے کی حکمتِ عملی کا زبردست جزو ہے۔

(۲۶)

جبتک کہ ہے چاندنی میں ٹھنڈک کی لکیر
جبتک کہ لکیر میں ہے خُم کی تصویر
جبتک کہ شبِ مہ کا ورق ہے روشن
ساقی نے کیا ہے مجھے ساغر میں اسیر



حضور بابا صاحبؒ چاند کو خُم سے تشبیہ دیتے ہیں۔ جس طرح خم میں شراب بھری ہوئی ہوتی ہے اسی طرح چاند میں ٹھنڈی اور مسحور کن چاندنی بھری ہوئی ہے اور یہ مسحور کن دہکی چاندنی دراصل وہ روشنی ہے جس سے زمین کا ذرہ ذرہ نمود و حیات پا رہا ہے۔ جب تک نمود و حیات کا سلسلہ جاری ہے، کائنات منور اور روشن ہے اور جب روشنی کا نظام درہم برہم ہو جائیگا تو نہ خم رہیگا نہ شراب، نہ چاند رہیگا، نہ چاندنی۔ اگر کوئی چیز باقی رہیگی تو وہ ساقی کی ذات بابرکات ذوالاصفات

(۲۷)

پتھر کا زمانہ بھی ہے پتھر میں اسیر
پتھر میں ہے اس دَور کی زندہ تصویر
پتھر کے زمانے میں جو انساں تھا عظیم
وہ بھی تھا ہماری ہی طرح کا دلگیر

انسانی تاریخ کے تمام اَدوار بشمول ماضی اور مستقبل لوحِ محفوظ پر نقش ہیں۔ کائنات کا ہر ذرہ اسی نقش کی تفصیلی تصویر ہے۔ ہر ذرے کے وجود کی گہرائی میں اسی نقش کا سُراغ ملتا ہے۔ اسی طرح پتھر میں پتھر کے زمانے کی ساری فلم موجود ہے۔ یہ فلم پتھر کے اندر جھانکنے سے نظر آتی ہے۔ اسی ریکارڈ یا فلم کا مشاہدہ کرکے ایک روحانی آدمی ماضی اور مستقبل کے تمام واقعات سے مطلع ہو جاتا ہے۔

آدم کی تخلیق میں جو فارمولے کام کر رہے ہیں وہ ازل سے ایک ہی PATTERN یا طرز پر قائم ہیں۔ زمانے کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ان کی مظاہراتی طرزوں میں ضرور تغیر (VARIATION) رُونما ہوتا ہے۔ لیکن بنیادوں میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ انسانی طبیعت میں تقاضے، رنج و غضب، پیار، رحم، جنس وغیرہ یکساں

ہیں۔ البتہ ہر دور میں ان کی مظاہراتی صورتیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔

۲۸

مٹی سے نکلتے ہیں پرندے اُڑ کر
دنیا کی فضا دیکھتے ہیں مُڑ مُڑ کر
مٹی کی کشش سے اب کہاں جائینگے
مٹی نے انہیں دیکھ لیا ہے مُڑ کر

تمام جاندار مٹی سے بنے ہوئے ہیں۔ مٹی سے مراد روشنیوں کا وہ خلط ملط ہے جس میں تمام رنگ موجود ہیں۔ اسے کل رنگ روشنی بھی کہا جاتا ہے۔ یہی رنگ درخت کی جڑیں زمین سے حاصل کرتی ہیں۔ اور یہی رنگ تنا، شاخوں، پتوں، پھول اور پھل میں نمایاں ہو جاتے ہیں لیکن تخلیق کی یہ طرز دیرپا نہیں ہے۔ جلد ہی یہ تخلیق پھر مٹی بن جاتی ہے۔ پرندے بھی اسی مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔ قوتِ پرواز حاصل ہو جانے کے بعد بھی مٹی سے رستگاری حاصل نہیں کر سکتے کیوں کہ وہ مٹی کے دائرۂ کار (GRAVITY) سے باہر نہیں جا سکتے۔ جلد ہی یہ کشش انہیں پھر مٹی میں مل کر مٹی بن جانے پر مجبور کر دیتی ہے۔

۲۹

معلوم ہے تجھ کو زندگانی کا راز؟
مٹی سے یہاں بن کے اڑا ہے شہباز
اس کے پر و پرزے تو یہی ذرّے ہیں
البتہ کہ صنّاع ہے اس کا دمساز

اے آدم! کیا تجھے معلوم ہے کہ تیری زندگی کے اندر کون سے فارمولے کام



کر رہے ہیں؟ دنیا میں ہر چیز کی ساخت مٹی سے عمل میں آئی ہے۔ شہباز کی قوتِ پرواز بھی اسی مٹی کی ممنونِ کرم ہے۔ کیونکہ اس کے جسمانی اعضا اسی مٹی (کل رنگ روشنی) کی مختلف ترکیبوں سے وجود میں آئے ہیں۔ البتہ تخلیق کا اصل راز یہ ہے کہ مٹی کے اندر خالق کائنات کا امر متحرک ہے جو کہ مٹی کو مختلف سانچوں میں ڈھال کر مختلف شکلوں میں ظاہر کر رہا ہے۔ کنکر، پتھر، پودے، مختلف قسم کے جانور اور انسان دراصل مختلف سانچے (DIE) ہیں۔

۳۰

مٹی کی لکیریں ہیں جو لیتی ہیں سانس
جاگیر ہے پاس ان کے فقط ایک قیاس
ٹکڑے جو ہیں قیاس کے ہیں، مفروضہ ہیں
ان ٹکڑوں کا نام ہم نے رکھا ہے حواس

ہمارے اطراف میں بکھرے ہوئے مختلف جاندار مٹی کی بنی ہوئی وہ مختلف [illegible] جو سانس لیتی ہیں۔ ان کی زندگی کا سارا اثاثہ قیاس آرائی ہے۔ یہی [illegible] حواس کی بنیاد ہے۔ جب خیال متحرک ہوتا ہے تو بصارت، سماعت، [illegible]، مشام اور لمس درجہ بدرجہ ترتیب پا جاتے ہیں۔ چونکہ ان کی بنیاد [illegible] اس لئے ظاہری حواس میں ہمارا دیکھنا، سمجھنا اور سوچنا حقیقی نہیں [illegible] روحانیت میں قلبی مشاہدے کو حقیقت کہا گیا ہے۔ قرآن کہتا ہے [illegible] جھوٹ نہیں دیکھا“

۳۱

ہر چیز خیالات کی ہے پیمائش
ہیں نام کے دنیا میں غم و آسائش
تبدیل ہوئی جو خاک گورستاں میں
سب کوچہ و بازار کی تھی زیبائش

انسانی نگاہ کے سامنے جتنے مناظر ہیں وہ شعور کی بنائی ہوئی مختلف تصویریں ہیں۔ یہ تذکرہ ہو چکا ہے کہ دیکھنے کی یہ طرز مفروضہ ہے۔ اس لئے اس کے مشاہدات و تجربات بھی مفروضہ ہیں۔ دیکھا جاتا ہے کہ ایک ہی چیز ایک آدمی کے لئے خوشی اور دوسرے کے لئے غم کا باعث ہوتی ہے۔ ایک چیز کے بارے میں مختلف لوگوں کی سینکڑوں مختلف آرا ہوتی ہیں حالانکہ حقیقت ایک اور صرف ایک ہو سکتی ہے۔ عام مشاہدہ ہے کہ ہماری نگاہ کے سامنے مظاہر میں ہر وقت تغیر ہوتا رہتا ہے۔ آبادی ویرانہ میں اور ویرانہ آبادی میں بدل جاتا ہے۔ یہ متغیر دنیا کس طرح حقیقی ہے جب کہ حقیقت میں تغیر نہیں ہوتا۔

(۳۲)

ساقی کا کرم ہے میں کہاں کا مے نوش
مجھ ایسے ہزار ہا کھڑے ہیں خاموش
میخوار عظیم برخیا حاضر ہے
افلاک سے آ رہی ہے آوازِ سروش

حضور قلندر بابا اولیاءؒ اس رباعی میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کا خصوصی کرم ہے کہ اس نے مجھے خصوصی علم (علم لدنی) عطا فرما کر ہزاروں لاکھوں سے ممتاز کر دیا اور میرے اندر شراب معرفت کے خم کے خم انڈیل دیئے ہیں۔ آوازِ سروش



یا صوتِ سرمدی نے مجھے ظاہراتی دنیا اور قید و بند کی زندگی سے آزاد کر دیا ہے۔ میری سماعت طول موج (WAVE LENGTH) کے تانے بانے سے ماوراء اور بہت ماوراء ہے۔ آسمانوں میں جو کچھ ہو رہا ہے میں کھلی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرتا ہوں اور ماورائی آوازوں سے میری سماعت لطف اندوز ہوتی ہے اور یہ ساری نعمتیں مجھے ساقی کے کرم سے ملی ہیں۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے اپنے نانا کی منقبت میں اس بات کو اس طرح کہا ہے ؎

یہ آپ ہی کا تو نواسہ ہے دریا پی کر جو پیاسا ہے
جلووں کا سمندر دیدیجئے اے بادۂ حق لے جُرعۂ علیؓ

# وصال

وصال سے پیشتر حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے آٹھ ماہ تک چوبیس گھنٹوں میں صرف ایک پیالی دودھ پر گزر کیا۔ اور تین روز پہلے کھانا اور پینا دونوں چھوڑ دیا۔ جب بھی درخواست کی گئی کہ آپ اور نہیں کچھ تو پانی ہی پی لیں تو حضورؒ نے ہاتھ کے اشارے سے منع فرما دیا۔ ایک ہفتہ پہلے اس بات کا اعلان فرما دیا کہ اب میں زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ کا مہمان ہوں۔ جس روز وصال ہوا اس روز صبح سویرے اپنے داماد، محمد جمیل صاحب سے فرمایا۔ "آج تم کہیں نہیں جانا۔ میرا کچھ پتہ نہیں۔" دوپہر کے بعد فرمایا۔ "تم گھر ہی میں رہنا۔ اس وقت میرے پیروں کی جان نکل چکی ہے۔" وصال سے تین گھنٹہ پیشتر حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی طلبی ہوئی۔ ارشادِ عالی ہوا۔ "مجھ سے مصافحہ کرو۔" اس سے پہلے کبھی کسی سے یہ بات نہیں فرمائی تھی۔ وصال سے ایک گھنٹہ قبل بھائی سراج صاحب نے جانے کی اجازت چاہی۔ فرمایا۔ "اچھا جاؤ، خدا حافظ، صبح جلد آجانا۔" امرِ واقعہ یہ ہے کہ بھائی سراج صاحب نے پیر و مرشد کا حقِ خدمت ادا کر دیا۔ قبلہ خواجہ صاحب اور چند دوسرے متوسلین حضرات کی موجودگی میں ایک بار جنت کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ قبلہ حضور نے فرمایا۔ "میں نے ایک دھوبی کی پیشانی پر جنت کی مُہر دیکھی ہے۔ یہ دھوبی سراج صاحب ہیں۔"



۲۸ جنوری ۱۹۷۹ء بروز اتوار قبلہ حضورؒ کے وصال کی خبر روزنامہ جنگ، روزنامہ جسارت اور روزنامہ ملت گجراتی نے نمایاں طور پر شائع کی۔

**۲۷ جنوری**: جنوری ۱۹۷۹ء کا روحانی ڈائجسٹ چھپ کر تیار ہو چکا تھا۔ ٹائٹل کی چھپائی ہنگامی حالت میں رکوا کر پہلے صفحہ پر قلندر بابا اولیاءؒ کے وصال کی خبر اس طرح شائع کی گئی۔

## آہ قلندر بابا اولیاءؒ

واحسرتا کہ آج دنیا اس وجودِ سرمدی سے خالی ہو گئی جس کے بارے میں اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے۔

"میں اپنے بندوں کو دوست رکھتا ہوں اور میں ان کے کان، آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں۔ پھر وہ میرے ذریعے سنتے ہیں، میرے ذریعے بولتے ہیں اور میرے ذریعے چیزیں پکڑتے ہیں۔"

روحانی ڈائجسٹ چھپ کر تیار ہی ہوا تھا کہ روحانی ڈائجسٹ کے سرپرست اعلیٰ حضور حسن اخریٰ محمد عظیم برخیاؔ، قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے سفرِ آخرت کی تیاری کر لی اور دیکھتے ہی دیکھتے واصل بحق ہو گئے۔

جگر خون ہو گیا، آنکھیں پانی ہو گئیں، دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، دماغ ماؤف ہو گئے۔ کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو نمناک نہ ہوئی ہو۔ کوئی دل ایسا نہ تھا جو بے قراری کے عمیق سمندر میں ڈوب نہ گیا ہو۔ ایسا لگتا تھا کہ لوگوں کے جمِ غفیر پر سکتہ طاری ہو گیا ہے۔

ایسی برگزیدہ ہستی نے پردہ فرما لیا جس کی نمازِ جنازہ میں انسانوں کے علاوہ لاکھوں فرشتے صف بستہ تھے، حضور سرکارِ کائناتؐ، عاشقِ رسول حضرت اویس

قرنیؒ، اولیاء کے سرتاج حضرت غوث الاعظمؒ گرامی قدر اپنے معزز فرزند سعید کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ حدِ نظر تک اولیاء اللہ کی ارواح کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔

مشیتِ ایزدی ایک ایسی حقیقت ہے جس کے بارے میں بجز صبر و شکر کوئی چارہ نہیں۔ "اللہ کی سنت میں تبدیلی ہوتی ہے اور نہ تعطل واقع ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں یہ ارشاد ہے

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

پیشِ نظر شمارہ میں عقیدت مند حضرات حضور قلندر باباؒ کی یہ رُباعی پڑھیں گے۔

اک جُرعہ مئے ناب ہے کیا پائے گا
اتنی سی کمی سے فرق کیا آئے گا
ساقی مجھے اب مفت پلا، کیا معلوم
یہ سانس جو آگیا ہے پھر آئے گا

۲۷۔ جنوری ۱۹۷۹ء کی شب ایک بجے جب کہ شب بیدار، خدا رسیدہ بندے اپنے اللہ کے حضور حاضری دیتے ہیں، حضور قلندر بابا اولیاءؒ مستقل حضوری میں تشریف لے گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی وصیت کے مطابق آپ کا جسدِ مبارک عظیمیہ ٹرسٹ فاؤنڈیشن کے شمالی حصہ میں محوِ استراحت ہے۔ جس وقت مٹی دی جا رہی تھی اس وقت مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔



فقیہِ دہر، فخرِ اہلِ ایماں
رموزِ حکمت و عرفاں کے محرم
رفیق و مونسِ حرماں نصیباں
وہ اپنوں اور بیگانوں کے ہمدم
ہوئے جب عازمِ فردوسِ اعلیٰ
بپا ہر سُو ہوا اِک شورِ ماتم
بجز اللہ کے ہر شئے ہے فانی
صدائے غیب یہ آتی ہے پیہم
سنِ رحلت کی مجھ کو جستجو تھی
بہت ہی مضطرب تھی جانِ پُرغم
کہا آہ کھینچ کر ہاتف نے فوراً
قمر! کہدو "قلندر فخرِ عالم"

۱۴۰۵-۶=۱۳۹۹ ہجری

(قمر یزدانی)

قلندر بابا اولیاء



# خانقاہِ عظیمیہ

علم وفضل کے اداروں کا جائزہ لیتے ہوئے ہمیں صوفیاء کے مراکز کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔ ان مراکز کو زاویہ یا خانقاہ کہا جاتا ہے۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں یہ مراکز توقع کے مطابق صوفیوں کے اجتماعات کے مقام تھے جہاں وہ جمع ہو کر مراقبہ اور دیگر رُوحانی ریاضتیں کرتے تھے۔ اور طالبوں کو باطنی اسرار و رموز سے آگاہ کیا جاتا تھا۔ یہاں وہ لوگ جنہیں رسمی علم سے اطمینان نہیں ہوتا تھا، آگر ایقان کی روشنی اور حقیقت کے براہِ راست کشف کے طالب ہوتے تھے۔

وہ مکتبی علمی بحث و تمحیص یعنی قیل و قال کو خیرباد کہہ دیتے تھے۔ اور اپنے روحانی رہنماؤں کی ہدایت کے مطابق غور و فکر (حال) سے انبساط حاصل کرتے تھے۔ اسی لئے عارفوں اور استدلال پسندوں یعنی باطنی علم رکھنے والوں اور ظاہری علم رکھنے والوں کو بالترتیب صاحبانِ حال اور صاحبانِ قال کہا جاتا تھا۔ چنانچہ صوفیوں کے مرکز درحقیقت علمی مراکز ہوتے تھے۔ لیکن وہاں جو علم سکھایا جاتا تھا وہ کتابوں میں نہیں ملتا تھا اور اس کے انکشاف کے لئے ذہنی صلاحیتوں کی تربیت ہی کافی نہیں ہوتی تھی۔ ان مراکز میں شائقین روحانیت مراقبہ کے ذریعے علم کی بلند ترین صورت یعنی باطنی اور رُوحانی علم کا ادراک کرتے تھے۔ جس کی تحصیل کے لئے رُوح اور ذہن
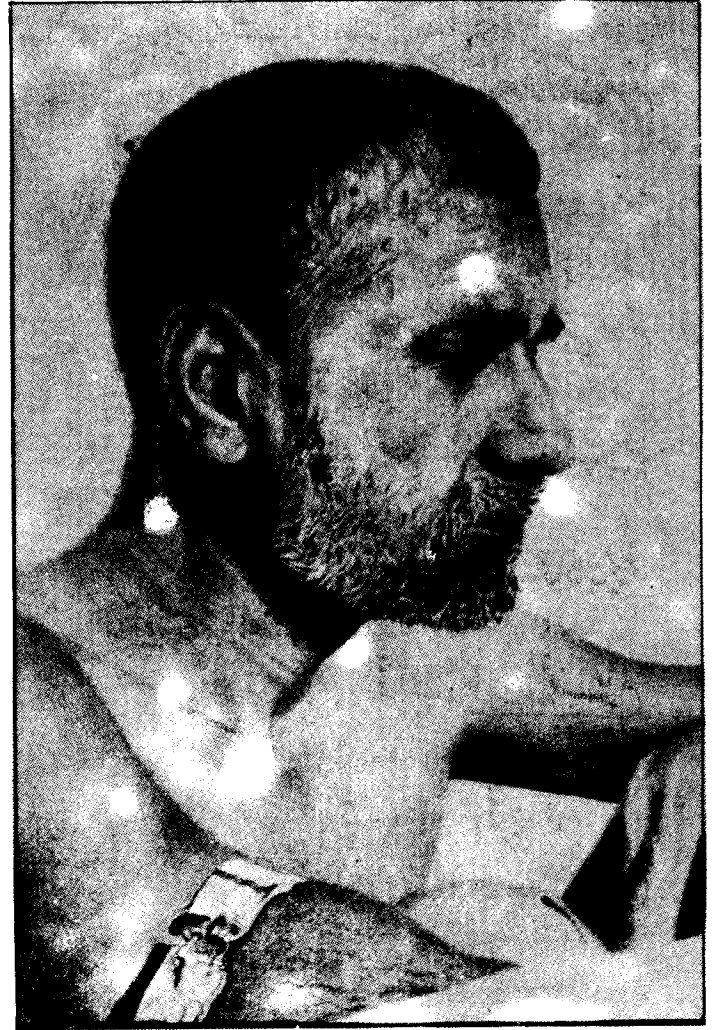
کی پاکیزگی ضروری ہوتی ہے۔

منگولوں کے حملے کے بعد صوفیاء کے مراکز بہرحال ہمیشہ کے لئے علمی اداروں کی شکل اختیار کر گئے۔ عالم اسلام کے مشرقی علاقوں میں منگولوں کے حملے کے نتیجے میں معاشرے کے خارجی اداروں کی تباہی کے بعد کوئی ایسی تنظیم نہیں تھی جو تعمیر نو کا کام شروع کرنے کے قابل ہوتی ماسوائے صوفیوں کے سلسلے کے جنہیں معاشرے کا متبادل معاشرہ کہا جا سکتا ہے۔

کراچی ملک کا سب سے بڑا اور سب سے پرشکوہ شہر ہے۔ بے شمار خوبیاں ہیں جو اس شہر کو دیگر شہروں سے ممتاز کرتی ہیں اور اہلِ وطن کی زبان میں اسے "عروس البلاد" کہا جاتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت اس شہر نگاراں کے لئے فضیلت کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علوم و اسرار کے وارث، اللہ کے دوست، بانیِ طریقۂ عظیمیہ، ابدالِ حق، حاملِ علمِ لدنی، حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے اسی شہر کو اپنے قیام اور پھر اپنے خاکی جسم کی آخری آرام گاہ کے لئے منتخب کیا۔ جیسے لاہور کا طرۂ افتخار داتاؒ کی نگری ہونا ہے، اسی طرح کراچی کا سرمایۂ ناز حضور قلندر بابا اولیاءؒ کا شہر ہونا ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ کا آستانۂ مبارک جو شادمان ٹاؤن میں خانقاہِ عظیمیہ کے نام سے موسوم ہے، عوام کے لئے موجبِ برکت و سعادت ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ یہی وہ مقدس بارگاہ ہے جہاں مظلوم کی دادرسی اور ظالم کی پرسش ہوتی ہے۔ یہاں دوستی کو اخلاص کا گوہر ملتا ہے اور دشمنی کا لبادہ چاک ہو جاتا ہے۔ خستہ حال غنی بنتے ہیں اور دولت کے بوجھ تلے دبے ہوئے دل سکون کی دستوں سے ہم کنار ہوتے ہیں۔ اپنے



بندے کی دوستی کے طفیل اللہ تعالےٰ دعائیں قبول کرتے ہیں، دعائیں مقبول اور ہر حاضری دینے والا پیکرِ مہر و محبت اور مجسمۂ خلوص و ایثار بن کر لوٹتا ہے۔ یہ وہ پاکیزہ دربار ہے جہاں پہنچ کر تمام منفی جذبات دم توڑ دیتے اور اذہان رحم و کرم کی بارش میں دھل کر شفاف ہو جاتے ہیں۔

# عرس مبارک

۲۷۔ جنوری اس مقدس ہستی کا یومِ وصال ہے جو بارگاہِ خداوندی میں مقبول اور سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا محبوب ہے۔ اس وجودِ مسعود نے سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق، روحانی اور علومِ حضوری کے مشن کو زمانے کے تقاضوں کے مطابق پیش کیا ہے۔ عشق رسولؐ کے پروانے اور اولیاء اللہ کی محبت میں دیوانے، پاک باطن لوگ ۲۷۔ جنوری کو حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے عرس مبارک میں دور دراز مقامات سے تشریف لاتے ہیں اور روحانی فیض سے مالا مال اور سرخرو ہو کر اپنے اپنے مقامات پر بابا صاحب کے فیض کو عام کرتے ہیں۔

مندرجہ ذیل پروگرام کے تحت عظیمیہ ٹرسٹ فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام عرس کا انتظام و انصرام تکمیل پاتا ہے۔

## پروگرام

۲۷۔ جنوری

| | | |
|---|---|---|
| بعد نمازِ ظہر | : | ختم درود شریف اور آیت کریمہ |
| بعد نمازِ عصر | : | قرآن خوانی |

بعد نماز مغرب : فاتحہ اور تقسیم لنگر

بمقام : خانقاہ عظیمیہ

ایس۔ ٹی سیکٹر ۱۴-بی، بس اسٹاپ

شادمان ٹاؤن نمبر ا، کراچی۔

(بس اسٹاپ سخی حسن سے اگلا بس اسٹاپ ہے)۔

# سلسلۂ عظیمیہ

# کا

# تعارف

# اور

# اغراض و مقاصد

# رنگ

خدا نما جہاں نما ہے سلسلہ عظیمیہ

قبولِ شاہِ دو جہاں ہے سلسلہ عظیمیہ

حسین رہنما ملے حسن عظیم برخیا

قلندروں کا رنگ ہے سلسلہ عظیمیہ



کفر و الحاد کی آندھیاں جب اپنے عروج پر ہوتی ہیں اور ہر طرف گھُپ اندھیرے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تو اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ رحمت سے اپنی مخلوق کا اضطراب اور بے چینی دُور کرنے کے لئے پیغمبر مبعوث فرماتے ہیں۔ پیغمبر بتاتے ہیں کہ انسان کی سب سے بڑی ضرورت ہدایتِ ربّانی ہے۔ وہ توفیق ہے جو انسان کو بتاتی ہے کہ کائنات کیسے وجود میں آئی۔ اس کی تخلیق میں کون سے فارمولے کام کر رہے ہیں۔ آدم کو خالقِ کائنات نے کس لئے پیدا کیا ہے۔ اس دُنیا میں آنے سے پہلے وہ کہاں تھا۔ اور دنیا کی چند روزہ زندگی گزار کر کہاں چلا جاتا ہے۔ چاند، سورج اور کائنات کی تخلیق کس طرح ظہور پذیر ہوئی اور کہکشانی نظاموں کی سیر کے کیا طریقے ہیں۔

حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک شعورِ انسانی نے ارتقاء کا وہ مرحلہ طے کر لیا تھا جس میں وہ اخلاق، تمدن، معیشت اور سیاست کی گتھیوں کو سلجھانے کی اہمیت کو محسوس کر چکا تھا۔ مخلوق کی ذہنی افتاد جب ارتقائی مراحل سے ذرا آگے قدم بڑھانے کی طرف مائل ہوئی تو اللہ تعالےٰ نے ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ آپؐ نے نوعِ انسانی کو اپنی حیاتِ طیبہ کی روشن مثال کے ساتھ معاشرتی، اخلاقی، تاریخی اور تسخیری فارمولوں کی مستند کتاب قرآن سے استفادہ کرنے کی واضح ہدایات دیں اور بتایا کہ یہ کتاب بھٹکی ہوئی انسانیت کو صراطِ مستقیم پر گامزن

کرتی ہے اور عزت و شرف کے اعلیٰ مقام پر فائز کرتی ہے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے:

"اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مشن پر بھیجا ہے کہ میں انسانوں کے درمیان عدل و احسان سے باہمی تعلقات قائم کردوں، تمام بتوں کو توڑ دوں اور صرف ایک اللہ کی اطاعت و بندگی کا مرکز و محور بنا دوں، یہاں تک کہ کسی حیثیت سے کسی معاملہ میں کوئی اللہ کا شریک نہ رہے گا۔"

ہر انسان دوسرے انسان سے ہم رشتہ ہے۔ ہر انسان دوسرے انسان سے اس لئے متعارف ہے کہ اس کے اندر زندگی بننے والی لہریں ایک دوسرے میں ردّ و بدل ہورہی ہیں۔ پُرمسرت محفل میں جہاں سینکڑوں ہزاروں افراد آلام سے بے نیاز، خوشیوں کے لطیف جذبات سے سرشار ہیں وہاں ایک فرد کی الم ناکی ساری محفل کو مغموم کردیتی ہے ـــــ آخر ایسا کیوں ہے؟

اس لئے کہ پوری نوع کے افراد زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ و پیوستہ ہیں۔ ایک کڑی کمزور ہوجائے تو ساری زنجیر کمزور ہوجاتی ہے۔ ایک کڑی ٹوٹ جائے تو زنجیر میں جب تک دوسری کڑی ہم رشتہ نہ ہوجائے زنجیر نہ کہلائے گی۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران)

سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔

اتحاد و یگانگت ماضی کو پُر وقار، حال کو مسرور اور مستقبل کو روشن و تابناک بناتی ہے۔



اللہ کی سنّت میں نہ تبدیلی ہوتی ہے اور نہ تعطل واقع ہوتا ہے۔ اس قانون کے مطابق جب اللہ کے رسولؐ نے ہماری ظاہری آنکھ سے پردہ فرمالیا تو سنّت کو جاری و ساری رکھنے کے لئے اللہ نے اپنے رسولؐ کے ورثا کا ایک سلسلہ قائم کردیا۔ سلسلہ کیا ہے؟ ان اولیاء اللہ کا گروہ ہے جن کے بارے میں قرآن مجید فرقانِ حمید میں ارشادِ ربّانی ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

اللہ کے دوستوں کو خوف ہوتا ہے اور نہ وہ غم آشنا زندگی سے مانوس ہوتے ہیں۔

علمِ حضوری سے مالا مال اولیاء اللہ نے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی پیش رفت کے لئے ہدایت و رہنمائی کی ذمّہ داری اپنے توانا کاندھوں پر اٹھائی۔ آج یہ جو توحید کا غلغلہ اور علمِ حضوری کی جھلک نظر آتی ہے یہ سب حضور اکرمؐ کے ان ہی ورثا کی کوشش کا ثمر ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں:

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے ایسے محبوب بندے ہیں کہ جتنی قربت اللہ نے انہیں عطا کی ہے کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔ جس قوم یا جس فرد پر حضورؐ کے اعلیٰ اوصاف اور روحانی اقدار کی چھاپ نہ ہو، اس کا یہ کہنا کہ میں حضورؐ کا امتی ہوں حضورؐ کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی ہے۔"

جو خود عارف نہیں وہ کسی کو عارف کیسے بنا سکتا ہے! جو خود قلاش اور مفلوک الحال ہے وہ کسی کو کیا خیرات دے گا!

اس پاکیزہ کردار عارفِ حق نے ہمیں بتایا ہے کہ آج ہم کفر و شرک کے

طوفان سے اگر بچے ہوئے ہیں تو اس کی وجہ وہ آواز ہے جو پیدا ہوتے ہی ہم اپنے بچوں کی حق آشنا سماعت میں منتقل کر دیتے ہیں۔ اذان کے معنی اور مفہوم پر تفکر کرنے سے یہ بات مشاہدہ میں آجاتی ہے کہ پیدا ہونے والے ہر بچے کے دماغ کی اسکرین (SCREEN) پر پہلا نقش یہ مرتسم ہوتا ہے کہ ہمارا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ وہ اللہ جو ہمیں زندہ رکھتا ہے اور ہمارے لئے زندگی کے وسائل فراہم کرتا ہے۔

اللہ والوں کے اوپر رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، تجلیات کی بارش ہوتی ہے، ان کے فیوض و برکات کی روشن اور منور چادر ایک عالم پر سایہ فگن رہتی ہے۔

ہر زمانے میں طالبِ حق کسی عارف بزرگ سے بیعت ہونے کے بعد جب وہ سلوک کی منزلیں طے کرتا ہے تو وہ بزرگ کسی نہ کسی راستے سے قدم بہ قدم چلا کر منزلِ مقصود یعنی عرفانِ خداوندی تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ اصول و قوانین اور روحانی راستے سلسلے کا تعین کرتے ہیں۔ گروہِ اولیاء اللہ میں سے منتخب اور اکابر لوگوں نے ہر زمانے میں طالبانِ حق کی عمومی حالت کو پیشِ نظر رکھ کر ایسے اذکار و اسباق مرتب کئے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر عرفانِ خداوندی حاصل کر سکیں۔ ہر زمانے میں نوعِ انسانی کی شعوری اور جسمانی صلاحیتوں میں فرق بھی واقع رہا ہے۔ ایک زمانہ میں لوگوں کے پاس جسمانی قوت کی فراوانی تھی لیکن ان کے شعور کی قوتیں اتنی مضبوط نہیں تھیں جتنی کہ آج دیکھنے میں آرہی ہیں۔ فی زمانہ ماحول کے اثرات سے لوگوں کے اعصاب کمزور ہو گئے ہیں۔ ان کی مصروفیات میں حد درجہ اضافہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ آج لوگوں کے لئے یہ ممکن نہیں رہا کہ وہ پرانے طریقہ ہائے ریاضت پر عمل کر سکیں۔



آج کے سائنسی دور میں کوئی بات اُس وقت قابلِ قبول ہے جب اُسے فطرت کے مطابق اور سائنسی توجیہات کے ساتھ پیش کیا جائے۔ سلسلۂ عالیہ عظیمیہ کا مشن بھی یہی ہے کہ لوگوں کے اوپر تفکر کے دروازے کھول دیئے جائیں۔ چنانچہ حالاتِ حاضرہ کے پیشِ نظر سلسلۂ عالیہ عظیمیہ کے اسباق و اذکار بہت ہی مختصر مرتب کئے گئے ہیں جن کے ذریعے رہروانِ سلوک کو عرفانِ خداوندی نصیب ہوتا ہے۔

# سنگِ بنیاد

ابدالِ حق حسن اخری سید محمد عظیم برخیا حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے دستِ کرم سے آپ کے نامِ نامی اسمِ گرامی سے منسوب سلسلۂ عالیہ عظیمیہ کی بنیاد، سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہِ اقدس میں شرفِ قبولیت کے بعد جولائی ۱۹۶۰ء میں رکھی گئی۔

ایک روز خواجہ صاحب نے سلسلۂ عالیہ عظیمیہ کی بنیاد رکھنے کے لئے حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی خدمت میں درخواست پیش کی۔ حضور بابا صاحبؒ نے خواجہ صاحب کی یہ درخواست بارگاہِ سرورِ کائنات فخرِ موجودات سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پیش کی۔ حضور نبی کریمؐ نے درخواست قبول فرمانے کے بعد سلسلۂ عالیہ عظیمیہ قائم کرنے کی اجازت عطا فرما دی۔

# خانوادۂ سلاسل

سلسلۂ عالیہ عظیمیہ جذب و سلوک دونوں روحانی شعبوں پر محیط ہے۔ امام

سلسلۂ عظیمیہ، ابدالِ حق، سیدنا و مرشدنا حسن اخریٰ محمد عظیم برخیاؔ المعروف حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ خصوصاً اکیسؔ (۲۱) سلاسلِ طریقت کے مربّی و مشفق ہیں اور حسب ذیل گیارہ (۱۱) سلاسلِ عالیہ کے خانوادہ[سے] ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| قلندریہ | : | امامِ سلسلہ حضرت ذوالنّون مصریؒ |
| نوریہ | : | امامِ سلسلہ حضرت امام موسیٰ کاظم رضاؒ |
| چشتیہ | : | امامِ سلسلہ حضرت ممشاد دینوریؒ |
| نقشبندیہ | : | امامِ سلسلہ حضرت شیخ بہاؤالحق نقشبند خواجہ باقی باللہؒ |
| سہروردیہ | : | امامِ سلسلہ حضرت ابوالقاہرؒ |
| قادریہ | : | امامِ سلسلہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ |
| طیفوریہ | : | امامِ سلسلہ حضرت بایزید بسطامیؒ |
| جنیدیہ | : | امامِ سلسلہ حضرت ابوالقاسم جنید بغدادیؒ |
| ملامتیہ | : | امامِ سلسلہ حضرت ذوالنّون مصریؒ |
| فردوسیہ | : | امامِ سلسلہ حضرت نجم الدّین کبریٰؒ |
| تاجیہ | : | امامِ سلسلہ حضرت محمد صغریٰ تاج الدّینؒ |

سلسلۂ عظیمیہ میں طالب کو اسی روحانی رنگ میں رنگا جاتا ہے جس رنگ میں اس کی افتادِ طبع ہے۔

سے وہ شیخ یا صاحبِ ولایت جسے امامِ سلسلہ نے اپنا ذہن منتقل کر دیا ہو اُسے خانوادہ کہتے ہیں۔



سلسلۂ عالیہ عظیمیہ میں روایتی پیری مریدی نہیں ہے۔ نہ جبہ و دستار ہے نہ منبر و محراب۔ اگر کسی طالب کو درِ عظیمؔ سے کچھ لینا ہے تو اس کے لئے خلوص اور طلبِ علم کے لئے ذوق و شوق کا ہونا کافی ہے۔

## رنگ

حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ مرتبۂ قلندریت کے مقامِ اعلیٰ پر فائز ہونے کی وجہ سے آپ کی ذات بابرکات کا رنگ قلندریہ ہے۔ اس لئے سلسلۂ عالیہ عظیمیہ کا رنگ بھی قلندریہ ہے۔

## اغراض و مقاصد

لازوال ہستی اپنی قدرت کا فیضان جاری و ساری رکھنے کے لئے ایسے بندے تخلیق کرتی رہتی ہے جو دنیا کی بے ثباتی کا درس دیتے ہیں۔ خالقِ حقیقی سے تعلق قائم کرنا اور آدم زاد کو اس سے متعارف کرانا ان کا مشن ہوتا ہے۔

سیدنا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے وارث ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ ——

انسان کو محض روٹی کپڑے کے حصول اور آسائش و زیبائش ہی کے لئے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ اس کی زندگی کا اوّلین مقصد یہ ہے کہ وہ خود کو پہچانے، اپنے اس رحمت للعالمین محمدؐ کا قلبی اور باطنی تعارف حاصل کرے جن کے جود و کرم اور رحمت سے ہم ایک خوش نصیب قوم ہیں اور جن کی تعلیمات سے انحراف کے نتیجے میں

ہم دنیا کی بدنصیب اور بدترین قوم بن چکے ہیں۔ سلسلۂ عالیہ عظیمیہ کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہیں۔

۱۔ صراطِ مستقیم پر گامزن ہو کر دین کی خدمت کرنا۔

۲۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر صدق دل سے عمل کر کے آپؐ کے رُوحانی مشن کو فروغ دینا۔

۳۔ مخلوقِ خدا کی خدمت کرنا۔

۴۔ علمِ دین کے ساتھ ساتھ لوگوں کو روحانی اور سائنسی علوم حاصل کرنے کی ترغیب دینا۔

۵۔ لوگوں کے اندر ایسی طرزِ فکر پیدا کرنا جس کے ذریعے وہ رُوح اور اپنے اندر روحانی صلاحیتوں سے باخبر ہو جائیں۔

۶۔ تمام نوعِ انسانی کو اپنی برادری سمجھنا۔ بلاتفریق مذہب و ملّت ہر شخص کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا اور حتی المقدور ان کے ساتھ ہمدردی کرنا۔

## قواعد و ضوابط

سلسلۂ عالیہ عظیمیہ کے تمام دوستوں کو حسب ذیل احکامات پر پابند رہنا ضروری ہے :۔

۱۔ ہر حال اور ہر قال میں اپنا روحانی تشخص برقرار رکھیں۔

۲۔ چھوٹے اور بڑے کا امتیاز کئے بغیر سلام میں پہل کریں۔

۳۔ اللہ کی مخلوق کو دوست رکھیں۔



۴۔ سلسلہ میں رہ کر آپس میں اختلاف سے گریز کریں۔

۵۔ شیخ کی ہر بات پر بلاچون وچرا عمل کریں۔

۶۔ کسی بھی سلسلہ کے مقابلے میں اپنے سلسلے کو برتر ثابت نہ کریں اس لئے کہ تمام راستے اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔

۷۔ سلسلہ میں جو شخص گند پھیلانے یا منافقت کا سبب بنے اسے سلسلہ سے خارج کر دینا چاہیئے۔

۸۔ ذکر و فکر کی جو تعلیم اور ہدایات دی جائیں ان پر پابندی سے عمل کریں۔ مراقبہ میں کوتاہی نہ کریں۔

۹۔ قرآن پاک کی تلاوت کریں، معنی اور مفہوم پر غور کریں۔

۱۰۔ صلوٰۃ (نماز) میں اللہ تعالےٰ کے ساتھ ربط قائم کریں۔

۱۱۔ کسی دوسرے سلسلے کے طالب علم یا سالک کو سلسلۂ عالیہ عظیمیہ میں طالب کی حیثیت سے قبول کیا جا سکتا ہے۔

۱۲۔ جو شخص پہلے سے کسی سلسلے میں بیعت ہو اُسے سلسلۂ عالیہ عظیمیہ میں بیعت نہ کریں۔ یہ قانون ہے کہ ایک شخص دو جگہ بیعت نہیں ہو سکتا۔

۱۳۔ سلسلۂ عالیہ عظیمیہ سے بیعت حاصل کر لینے کے بعد نہ تو بیعت توڑی جا سکتی ہے اور نہ ہی کوئی فرد اپنی مرضی سے فرار حاصل کر سکتا ہے۔ اس لئے بیعت کرنے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہ کریں۔ جو شخص سلسلہ میں داخل ہونا چاہتا ہے اس سے کہا جائے کہ پہلے خوب اچھی طرح دیکھ بھال کر لی جائے کہ ہم اس لائق ہیں بھی یا نہیں۔

۱۴۔ سلسلۂ عظیمیہ کے ذمہ دار حضرات پر لازم ہے کہ وہ کسی کو اپنا مرید نہ کہیں۔

دوست کے لقب سے یاد کریں۔

۱۵۔ سلسلہ کا کوئی صاحبِ مجاز مجلس میں گدّی نشیں ہو کر نہ بیٹھے۔ نشست و برخاست عوام کی طرح ہو۔

۱۶۔ نوعِ انسان میں مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے سب آپس میں آدم کے ناطے خالقِ کائنات کے تخلیقی راز و نیاز ہیں، آپس میں بھائی بہن ہیں ـــ نہ کوئی بڑا ہے نہ چھوٹا۔ بڑائی صرف اس کو زیب دیتی ہے جو اپنے اندر ٹھاٹھیں مارتے ہوئے اللہ کی صفات کے سمندر کا عرفان رکھتا ہو، جس کے اندر اللہ کے اوصاف کا عکس نمایاں ہو، جو اللہ کی مخلوق کے کام آئے۔ کسی کو اس کی ذات سے تکلیف نہ پہنچے۔

۱۷۔ شک کو دل میں جگہ نہ دیں۔ جس فرد کے دل میں شک جاگزیں ہو، وہ عارف کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ شک شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے جس کے ذریعے وہ آدم زاد کو اپنی رُوح سے دور کر دیتا ہے۔ رُوحانی قدروں سے دوری، آدمی کے اوپر علم و آگاہی اور عرفان کے دروازے بند کر دیتی ہے۔

۱۸۔ مصوّر ایک تصویر بناتا ہے۔ پہلے وہ خود اس تصویر کے نقش و نگار سے لُطف اندوز ہوتا ہے۔ مصوّر اپنی بنائی ہوئی تصویر سے اگر خود مطمئن نہ ہو تو دوسرے کیوں کر متاثر ہوں گے۔ نہ صرف یہ کہ دوسرے لوگ متاثر نہیں ہوں گے بلکہ تصویر کے خدوخال ذہنی انتشار کا ہدف بن جائیں گے اور اس طرح خود مصوّر بے چینی، اضطراب و اضمحلال کے عالم میں چلا جائے گا۔ ایسے کام کریں کہ آپ خود مطمئن ہوں۔ آپ کا ضمیر مُردہ نہ ہو جائے اور یہی وہ راز ہے جس کے ذریعے آپ کی ذات دوسروں کے لئے راہ نمائی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

۱۹۔ ہر شخص کو چاہیئے کہ کاروبارِ حیات میں مذہبی قدروں، اخلاقی اور معاشرتی



قوانین کا احترام کرتے ہوئے پوری پوری جدّوجہد اور کوشش کرے لیکن نتیجہ پر نظر نہ رکھے۔ نتیجہ اللہ کے اوپر چھوڑ دے اس لئے کہ آدمی حالات کے ہاتھ میں کھلونا ہے۔ حالات جس طرح چابی بھر دیتے ہیں آدمی اسی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہے بیشک اللہ قادرِ مطلق اور ہر چیز پر محیط ہے۔ حالات پر اس کی گرفت ہے۔ وہ جب چاہے اور جس طرح چاہے حالات میں تغیّر واقع ہو جاتا ہے۔ معاش کے حصول میں معاشرتی اخلاقی اور مذہبی قدروں کا پورا پورا احترام کرنا ہر شخص کے اوپر فرض ہے۔

۲۰۔ تم اگر کسی کی دل آزاری کا سبب بن جاؤ تو اس سے معافی مانگ لو، قطع نظر اس کے کہ وہ تم سے چھوٹا ہے یا بڑا۔ اس لئے کہ جھکنے میں عظمت پوشیدہ ہے۔

۲۱۔ تمہیں کسی کی ذات سے تکلیف پہنچ جائے تو اسے بلا توقف معاف کر دو۔ اس لئے کہ انتقام بجائے خود ایک صعوبت ہے۔ انتقام کا جذبہ اعصاب مضمحل کر دیتا ہے۔

۲۲۔ غصہ کی آگ پہلے غصہ کرنے والے کے خون میں ارتعاش پیدا کرتی ہے اور اس کے اعصاب متاثر ہو کر اپنی انرجی (ENERGY) ضائع کر دیتے ہیں۔ یعنی اس کے اندر قوتِ حیات ضائع ہو کر دوسروں کو نقصان پہنچاتی ہے۔ اللہ تعالےٰ نوعِ انسانی کے لئے کسی قسم کے بھی نقصان کو پسند نہیں فرماتے۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:

"جو لوگ غصہ پر قابو حاصل کر لیتے ہیں، اللہ ایسے احسان کرنیوالے بندوں سے محبت کرتا ہے۔"

یاد رکھیئے ـــــ! شمع پہلے خود جلتی ہے اور جب وہ اپنی زندگی کا ایک

ایک لمحہ آگ کی نذر کر کے خود کو فنا کر دیتی ہے تو اس ایثار پر پروانے شمع پر جاں نثار ہو جاتے ہیں۔

سلسلۂ عظیمیہ تمام نوعِ انسانی کو،

"متحد ہو کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑ لو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔"

کے پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی دعوت دیتا ہے۔

آئیے! عہد کریں کہ محسنِ انسانیت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے نقشِ قدم پر چل کر پوری انسانیت کے لئے ہم ایک مثال قائم کریں گے اور حضورِ اکرمؐ کے مشن کو گھر گھر پہنچا کر ہر فرد کو اس کے اندر بہتے ہوئے علم و آگہی کے سمندر سے روشناس کرائیں گے اور خود بھی اپنی روحانی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہو کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سامنے سرخرو ہوں گے۔ آمین یا ربّ العالمین!